ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
32
www.tanzeem.org
8 تا 14 رمضان المبارک 1432ھ/ 9 تا 15 اگست 2011ء

روزہ: قوتِ ارادی کی تربیت

روزے کی برکت یہ بھی ہے کہ یہ آدمی کی قوت ارادی کی بہترین طریقے پر تربیت کرتا ہے۔ شریعت کی حدود کی پابندی کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کی قوت ارادی نہایت مضبوط ہو۔ بغیر مضبوط قوتِ ارادی کے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص شہوات و جذبات اور خواہشات کے غیر معتدل ہیجانات کو دبا سکے اور جو شخص ان کے مفرط ہیجان کو دبا نہیں سکتا، اس کے لیے یہ محال ہے کہ وہ شریعت کی حدود کو قائم رکھ سکے۔ ایک ضعیف اور لچلچے ارادے کا آدمی ہر قدم پر ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی چیز اس کے غصے کو اشتعال دلانے والی سامنے آجائے گی، وہ بڑی آسانی سے اس سے مغلوب ہو جائے گا اور جہاں بھی کوئی چیز اس کو اکسانے والی نظر آجائے گی، وہیں وہ پھسل کر گر پڑے گا۔ اس طرح کی ضعیف قوتِ ارادی کا انسان دنیا میں عزم و ہمت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ شریعت کی حدود و قیود کی پابندی کر سکے، بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے اور مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس صبر کی مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی صبر سے وہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور جو روزے کا اصل مقصود ہے۔

تزکیۂ نفس
مولانا امین احسن اصلاحی

اس شمارے میں

آزادی ری آزادی

رمضان المبارک اور
مسلمانوں کی ذمہ داریاں

ماہ رمضان: نزول قرآن کا مہینہ

اسلام کی کرنیں مدینہ منورہ میں

اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام
صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کا پشاور میں خصوصی لیکچر

”افغانستان میں طالبان کی مضبوط
حکومت قائم ہوگی۔“ ان شاء اللہ

بے حیائی کی لعنت

سورۃ یونس

(آیات:31تا35)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى
تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ
لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

’’(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔ یہی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرائے جاتے ہو؟ اسی طرح اللہ کا ارشاد ان نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (ان سے) پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتداءً پیدا کرے (اور) پھر اس کو دوبارہ بنائے کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تو تم کہاں اُلٹے جا رہے ہو۔ پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے کہہ دو کہ اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ یا وہ کہ جب تک کوئی اسے رستہ نہ بتائے نہ پائے۔ تو تمہیں کیا ہوا ہے کیسا انصاف کرتے ہو؟‘‘

نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اِن مشرکین سے پوچھئے کون ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں ہیں؟ اور کون ہے جو زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون دنیا کے کاموں کا انتظام کرنے والا ہے؟ وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے۔ مشرکین عرب یہ ساری چیزیں مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ فرمایا، پھر اِن سے کہیے کیا تم پھر بھی اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ پھر یہ چیزیں تم نے کیوں گھڑ لی ہیں؟ یہ عقیدے تم کہاں سے لے آئے ہو؟ یہ دیوی اور دیوتا تم نے کہاں سے تراش لیے ہیں؟

وہی تو اللہ ہے، تمہارا رب، برحق مولا۔ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ پس اس حق کو مضبوطی سے تھامو اور کسی گمراہی میں مبتلا مت ہو۔ تو تم کہاں سے لوٹائے جا رہے ہو۔ یعنی اللہ کہہ کر حق تک پہنچ گئے، پھر کہاں سے عقیدت کی پگ ڈنڈیاں اور چور دروازے گھڑ لیے۔

اسی طرح تیرے رب کا کلمہ ان لوگوں پر راست آیا، جنہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

یہاں پھر آپؐ سے فرمایا کہ ان سے پوچھئے کہ تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کرتا ہو پہلی مرتبہ اور پھر دوبارہ سے؟ کہہ دیجئے، صرف اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ بھی پیدا کرتا ہے اور وہی اعادہ بھی کرے گا۔ تم کہاں سے یہ پلٹائے جا رہے ہو۔

ان سے پوچھئے، تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی ہدایت دے اور صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کر سکے؟ ان سے کہیے، اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے۔ تو کیا بھلا وہ جو حق کی ہدایت دیتا ہو زیادہ مستحق ہے کہ اس کی بات مانی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پا سکتا، الّا یہ کہ اس کو ہدایت دی جائے۔ تمام مخلوق ہدایت کے لیے اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے۔ کیا نبی اھدنا الصراط المستقیم کہہ کر اللہ سے ہدایت کی دعا نہیں کرتے تھے؟ ہدایت دینے والا تو اللہ ہے۔ بھلا وہ جو ہدایت دیتا ہے اس کی بات ماننی چاہیے یا اس کی جو خود ہدایت کے محتاج ہیں، جو خود ہدایت چاہتے ہیں۔ تو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

روزے کے اجر و ثواب سے محرومی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ)) (رواہ الدارمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں سوائے پیاس کے اُن کے روزہ سے کچھ نہیں ملتا، اور کتنے ہی قیام کرنے والوں کو ماسوا بے خوابی کے ان کے قیام سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

ادارِیہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آزادی ری آزادی

یوم آزادی شمسی اور قمری ہر دو لحاظ سے آیا چاہتا ہے۔ ہجری سال کے ماہ و روز چاند کی گردش اور اُس کے طلوع وغروب سے شمار کیے جاتے ہیں اور عیسوی سال کے ایام سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے آگے بڑھتے ہیں۔ ہجری سال کا آغاز اُس ہجرت سے کیا جاتا ہے جو دنیا کے اُس عظیم ترین اور جامع ترین انقلاب کی بنیاد بنی جو انقلابِ محمدیؐ یا اسلامی انقلاب کے نام سے انسانی تاریخ کے ماتھے پر چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ اسلامی کیلنڈر کا قمری ہونا اِس لیے بھی بڑا فطری، منطقی اور عقلی ہے کہ شمس وقمر کے خالق اور مالکِ حقیقی سے جب اُس کے بندوں نے پوچھا کہ یہ چاند کا گھٹنا اور بڑھنا کیا ہے تو ربِ کائنات نے جواب دیا کہ یہ دو وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔ ایسی صورت میں مخلوق کے لیے کیا جواز تھا کہ وہ ماہ وسال کی گنتی اور شمار قمری گردش سے منسلک نہ کرتے۔ لیکن یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد جب یورپ نے دنیا بھر میں عسکری اور سیاسی تسلط حاصل کیا تو اُس کی تہذیب بھی ایک وبا کی طرح دنیا بھر میں پھیل گئی۔ لہٰذا عیسوی سال بھی کیلنڈر کی دنیا میں فاتح بن کر سامنے آیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے گھروں میں بھی یہی کیلنڈر برسرِ دیوار نظر آتا ہے۔ جبکہ اُمتِ مسلمہ کی طرح اسلامی کیلنڈر بھی ایک مفتوح کی حیثیت سے پسِ دیوار چلا گیا۔

اللہ رب العزت نے قیامِ پاکستان کے لیے ایسی رات کو چنا جس کے بارے میں غالب گمان ہے کہ وہ لیلۃ القدر ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ایسی رات جس کی تاریکی پر دن کا اجالا رشک کرے، جو رات ہوتے ہوئے بھی ظلمت کے لیے پیغامِ اجل ہے لیکن ہم پاکستانیوں نے کہا نہیں نہیں۔ ہمارا صرف ظاہر آزاد ہوا ہے باطن نہیں۔ ہمارے جسم آزاد ہوئے ہیں، ہماری سوچ، فکر اور ذہن ابھی بھی اپنے سابقہ آقا کے غلام ہیں بلکہ تہذیبی لحاظ سے اور سوشل لائف کے حوالہ سے ہم تقسیم سے پہلے کی نسبت کہیں زیادہ غلام ہو گئے ہیں۔ ہم نے 14 اگست کو یومِ آزادی قرار دے کر گلے لگا لیا اور 27 رمضان المبارک کو فراموش کر دیا، تو رمضان المبارک کو مقدس اور محترم قرار دینے والے ربِ کائنات نے اور شبِ قدر کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دینے والے نے ہمیں فراموش کر دیا۔ لہٰذا آج دنیا میں ہماری پہچان ایک بھکاری کی ہے۔ کشکول تھامے دردر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ہم ایٹم بم بنا کر بھی سلامتی کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں۔ محتاجی چہار سو ہے اور از سرتاپا ہے۔ قدرت ہم پر کس قدر مہربان تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز، کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان طے ہوا کہ 14 اگست کو بھارت اعلان آزادی کرے گا اور یہ دن یعنی 14 اگست بھارت کا یومِ آزادی ہوگا اور پاکستان اپنی آزادی کا اعلان اگلے روز 15 اگست کو کرے گا۔ لیکن پنڈت جی کو ایک جوتشی نے بتایا کہ 14 اگست بھارت کے لیے اچھا دن نہیں ہے لہٰذا کانگرس کی درخواست پر فیصلہ الٹ دیا گیا۔ 14 اگست کی رات کو پاکستان کی آزادی کا اعلان کیا گیا اور یہی رمضان کی ستائیسویں رات تھی، حُسنِ اتفاق سے یہ شبِ جمعہ بھی تھی۔

بہر حال ہم نے چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی کو رد کر کے سورج کی آتش فشانی کو قبول کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قوم جھلس رہی ہے اور اِس جھلستی ہوئی قوم کا وہ حصہ جو زر اور زمین کو پاؤں تلے روندتے ہوئے پردہ دار بیبیوں کی عصمت کو داؤ پر لگا کر ارضِ پاک کو بوسہ دینے ہندوستان کے طول وعرض سے نکل کھڑا ہوا تھا، آج وہ واپس ہندوستان جانے کی بات کر رہا ہے۔ حالانکہ بھارت کا ہندو اب بھی نعرہ زن ہے: مسلمان کے دو استھان۔ پاکستان یا قبرستان۔ حقیقت یہ ہے کہ روٹھی ہوئی عورت میکے واپس جانے کا فیصلہ کر لے تو گھر تباہ

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

8 تا 14 رمضان المبارک 1432ھ — جلد 20
9 تا 15 اگست 2011ء — شمارہ 32

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ہوجاتا ہے۔قوم کا روٹھا ہوا حصہ واپس جانے کا سوچے گا تو قوم کیسے بچے گی۔ لیکن یہ نوبت کیوں آئی؟ کیا صرف مقامی لوگ ذمہ دار ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیا صرف مہاجر ذمہ دار ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ تمام اہلِ پاکستان بحیثیت مجموعی اس کے ذمہ دار ہیں، قصوروار ہیں، ملزم ہیں، مجرم ہیں۔کیا رشتہ تھا مچھلی چاول کھانے والے بنگالی کا قہوہ پینے اور پشتو بولنے والے پٹھان اور سری پائے کھانے والے دھوتی پوش پنجابی کے ساتھ اور کیا رشتہ تھا سائیں سائیں کی رٹ لگانے والے اور اجرک پہننے والے سندھی کا پان منہ میں رکھے کلاسیکل اردو سپیکنگ دہلی والے کے ساتھ۔ظاہر ہے، یہ صرف دین و مذہب کا رشتہ تھا۔ یہ صرف اسلام کا رشتہ تھا اور یہ رشتہ محمدؐ عربی کی وساطت سے تھا۔سب کی بغل میں ایک ہی کتاب تھی۔ وہی کتابِ زندہ، وہی قولِ فیصل۔اور اِن سب کا ورثہ ہیں وہ پھول جو رب کے محبوب ﷺ کے منہ سے جھڑتے تھے۔ ہم نے تعلق اور رشتہ کی اِس بنیاد کو اجتماعیت کی بنیاد بنانے سے انکار کر دیا بلکہ صحیح تر الفاظ میں اِس سے منحرف ہوگئے۔ چار و نا چار قرار دادِ مقاصد منظور کی بھی تو عملاً اُسے ردی کی ٹوکری کی زینت بنا دیا۔ایسی صورت میں یہ بات قابلِ فہم لگتی ہے، منطقی ہے اور دلیل فراہم کرتی ہے کہ اتنے بہت سے بیان کردہ اختلافات کے ساتھ ایک قوم بن کر کیسے رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا مہاجر کہلانے والے اگر واپسی کی آواز منہ سے نکالتے ہیں تو بات بڑی ہلاکت خیز اور اندوہناک ہونے کے باوجود قابلِ فہم تو ہے۔ بہر حال ہماری رائے یہ ہے کہ ہجر اور طلاق کی سوچ رکھنے والے بھی اور وہ عاقبت نا اندیش بھی جو انہیں لُٹے پٹے آنے والے اور سہارا فراہم کرنے کا طعنہ دیتے ہیں، دونوں بنیادی غلطی کی طرف توجہ دیں، رجوع کریں اور یکجا ہونے کی واحد بنیاد تلاش کریں اور پھر اس بنیاد پر عمارت تعمیر کریں۔نظریۂ پاکستان کی عملی تعبیر پر دن رات کام کریں۔ جس بند گلی میں پاکستان داخل ہو چکا ہے اُس میں سے راستے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے ان شاء اللہ——ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہر پاکستانی مسلمان سے پکار پکار کر کہا جائے کہ رضائے الٰہی کو مقصود و مطلوب جانو، پھر یہ کہ قرآن کو اپنا امام بناؤ اور فرمودۂ رسول ﷺ کی پیروی میں بڑھتے چلے جاؤ۔منزل خود تمہارے پاؤں چھوئے گی۔

ہماری سیاسی اور عسکری قیادت جس کا یہ کہتے کہتے منہ نہیں سوکھتا کہ نظام کو ڈی ریل نہیں ہونے دیں گے، اُن کے بارے میں کیا الفاظ استعمال کریں کہ شائستگی کا دامن چھوڑنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ کس نظام کو بچانا چاہتے ہیں، جس نے پاکستان کو ’’ناپاکستان‘‘ بنا دیا، جس نے ملک کی جڑ اور بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا ہے، جس نے حلال وحرام کی تمیز ختم کر دی ہے، جس نے سودی معاشی نظام کے ذریعے اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ چھیڑی ہوئی ہے، جس نے اہلِ پاکستان کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ کر دی، جس نے آزادی کو بدترین غلامی میں تبدیل کر دیا۔ یہ نظام تو درحقیقت چور کی ماں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک اِس کا خاتمہ نہیں کیا جاتا، یہ انڈے بچے دیتا رہے گا اور برائی اور خباثت نئے نئے انداز میں پھلتی پھولتی رہے گی۔ مسلمانانِ پاکستان وطنِ عزیز کی سلامتی کی اگر خواہش رکھتے ہیں تو اِس یومِ آزادی پر 27 رمضان المبارک کو اپنے رب سے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کریں۔ اپنی نجی اور ذاتی زندگی کو بھی اسلام کے سنہری اصولوں سے مزین کرنے کا عہد کریں اور اجتماعی طور پر اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لیے جُت جانے کا مصمم ارادہ کریں، تا کہ مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی قوم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیلے اور پاکستان جنت نظیر بنے، تا کہ ہم صحیح معنوں میں آزادی کے مفہوم سے آشنا ہو سکیں۔ فی الحال تو یومِ آزادی پر یہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔

آزادی ری آزادی تیری کون سے گل سیدھی۔

☆☆☆

بقیہ: ماہ رمضان المبارک اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

چاہتا کہ بیمار ہو تب بھی روزہ رکھو۔ سفر میں ہو تب بھی رکھو، نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اسے انسان کی کمزوریاں اور limitations معلوم ہیں۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے اس نے یہ احکام دیئے ہیں۔اور تمہیں چاہیے کہ تم تعداد پوری کرو۔ یعنی مہینہ انتیس دن کا ہے تو 29 روزے پورے کرو اور اگر تیس کا ہے تو تیس روزے پورے ہونے چاہئیں۔

آگے فرمایا:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٨٥﴾

(البقرہ)

’’اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا ہے) کہ روزوں کا شمار پُورا کر لو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے، تم اُس کی بڑائی کرو اور اور تا کہ تم اُس کا شکر ادا کرو۔‘‘

جس طرح بغیر پیاس کے کوئی پانی پیش کر دے تو نعمت کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح اس روزے کی عبادت اور قرآن کے باہم تعامل سے تم گزرو گے تو اس نعمتِ ہدایت کی عظمت کا تمہیں احساس ہوگا۔ پھر اندر کی پیاس یعنی ہدایت کی طلب پیدا ہوگی اور اس حالت میں جب آیات قرآنی کا فیضان ہوگا تو تم صحیح معنوں میں شکر ادا کرو گے۔ کبریائی کا اعلان اور شکر دراصل رمضان کی تکمیل پر شکرانۂ رمضان ہے۔ یہاں لطیف اشارہ عید الفطر کی طرف ہے۔ عید کے موقع پر ہم مسجد آتے جاتے تکبیرات کہتے ہیں اور مسجد میں دو رکعات نماز ادا کرتے ہیں۔ اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکیں کہ اُس نے ہمیں رمضان کا عظیم اور بابرکت مہینہ عطا فرمایا، اور اس میں گناہوں سے توبہ اور استغفار کی توفیق بخشی۔ اس کی کبریائی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے دین کو غالب اور قائم کیا جائے۔ تکبیر یہی نہیں ہے کہ ’’اللہ اکبر‘‘ کہہ دیا۔ یہ تو زبان سے تکبیر رب کا اعلان ہے۔ تکبیر رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نظام قائم کیا جائے جس کے تحت واقعی رب کی بڑائی ہر جگہ مانی جائے۔ ہماری عدالتوں میں بھی اُس کی بڑائی ہو۔ ہمارے گھروں اور بازاروں میں بھی اُس کی کبریائی ہو۔ ہمارے ایوان ہائے اقتدار میں بھی اسی کا حکم جاری و ساری ہو۔ الغرض رب کی دھرتی پر رب کا نظام پورے طور پر نافذ و قائم ہو۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ماہ رمضان المبارک اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

قرآن و سنت کی روشنی میں

روز نامہ نوائے وقت کے زیر اہتمام 26 جولائی 2011ء کو ایوانِ وقت لاہور میں منعقدہ خصوصی نشست میں
امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کا خطاب

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد]

محترم حاضرین! میں سب سے پہلے تو نوائے وقت کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس نے ایک اہم دینی موضوع پر بروقت نشست کا اہتمام کیا، اور مجھے یہ موقع عنایت فرمایا کہ ''رمضان المبارک اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر بیان کروں۔ ہمارا ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ یہاں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ میڈیا کے کارپردازان بھی مسلمان ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اُن کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مواقع پر مسلمانوں کی بروقت فکری و عملی رہنمائی کا اہتمام کریں۔ اِس نشست کے اہتمام سے نوائے وقت انتظامیہ نے اِسی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ رمضان کی آمد آمد ہے۔ چند دن کے بعد ہم پر رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس ماہ مبارک کو نیکیوں کا موسم بہار کہا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا خصوصی مظہر ہے کہ اس ماہ میں ہر نیک عمل کا ثواب کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس ماہ کی آمد سے قبل اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ ماہ رمضان آئے گا اور گزر جائے گا، اور آخر میں ہم کف افسوس مل رہے ہوں گے۔ تو اس موسم سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ذہنی طور پر پہلے سے تیار اور آمادۂ عمل ہو۔

محترم حاضرین! رمضان کے بابرکت مہینے کے حوالے سے یہ بات تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ رمضان میں دن کا روزہ اور رات میں تراویح ہوتی ہے۔ تاہم ضرورت اِس بات کی ہے کہ رمضان کے تعلق سے قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کی تفصیلی رہنمائی کو واضح کیا جائے۔ اِسی حوالے سے میں اپنی بات آپ کے سامنے رکھوں گا۔

قرآن مجید میں روزے کی عبادت کا تفصیلی ذکر سورۃ البقرہ کے 23 ویں رکوع میں ہے۔ اس رکوع میں روزے کی حکمت' غرض و غایت' قرآن مجید کے ساتھ تعلق' اس کا اصل حاصل اور احکام اور اعتکاف کے مسائل جیسے موضوعات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ ایک ہی مقام پر کم و بیش تمام مسائل کا ذکر روزہ کا منفرد معاملہ ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

(آیت:183)

''اہل ایمان! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔'' (روزہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ) تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو''۔

اس آیت میں روزے کی فرضیت کا ذکر ہے۔ اور ترغیب و تشویق کے لیے فرمایا کہ روزہ صرف تمہی پر فرض نہیں کیا گیا ہے' بلکہ سابقہ اُمتوں پر بھی فرض تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جو دین بھیجا ہے وہ اصلاً ایک ہی ہے' یعنی دین توحید۔ اس کے اہم ارکان میں روزہ ہمیشہ سے شامل رہا ہے۔ البتہ عربوں کا معاملہ یہ رہا کہ اڑھائی ہزار سال ان پر ایسے گزرے کہ ان کے ہاں کوئی نبی اور رسول آیا ہی نہیں۔ چنانچہ وہ ان چیزوں سے بالکل ناواقف تھے۔

فرضیت روزہ کے ساتھ ساتھ اس کی حکمت بھی بتا دی گئی کہ روزہ کی یہ مشقت کیوں ڈالی گئی ہے۔ روزہ کا مدعا یہ ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ تقویٰ وہ شے ہے جو آخرت کی کامیابی کی کلید ہے۔ تقویٰ اِس احساس کا نام ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے' اور ایک دن مجھے اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ یہ احساس پیدا ہو گا تو پھر انسان اپنے طرزِ عمل کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ تقویٰ ہو گا تو سارا عمل ٹھیک ہو گا۔ آدمی نماز پڑھے گا تو اس میں خشوع و خضوع ہو گا' شریعت پر نیک نیتی سے عمل کرے گا۔ ورنہ وہ شریعت کو بھی بازیچۂ اطفال بنا لے گا' جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ الغرض انسان کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنے والی چیز تقویٰ ہے۔

آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ تقویٰ کوئی اضافی چیز نہیں، مسلمان کی دنیاوی اور اُخروی بھلائی کے لیے ایک ناگزیر وصف ہے۔ اگر ایک شخص ایمان تو لے آئے مگر اُس میں تقویٰ نہ ہو تو نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی ایمان کے ثمرات سے محروم رہے گا۔ اگر مسلمان کے دل میں تقویٰ ہے تو اس دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا، اللہ کی رحمتیں ہوں گی، برکات ہوں گی، امن و خوشحالی ہو گی، ایک دوسرے پر اعتماد ہو گا، ایک دوسرے کا احترام ہو گا۔ اور اگر تقویٰ نہیں ہو گا تو دنیا میں معاشرہ کا وہی حال ہو گا جو آج پاکستانی معاشرہ کا ہے کہ 97 فی صد مسلمان ہیں، پھر بھی کرپشن آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ جھوٹ، دھوکہ،

فریب، بداعتمادی، عہد شکنی تو گویا ہمارے قومی شعائر بن چکے ہیں۔ ملاوٹ اس درجے میں ہے کہ لائف سیونگ ڈرگز بھی اس سے محفوظ نہیں۔ بدامنی کا یہ عالم ہے کہ ہر گلی کوچہ میں پھاٹک لگائے جا رہے ہیں۔ کھڑکیوں کے اندر گرلیں لگائی جا رہی ہیں۔ عدل و انصاف یہاں پر ایک بکاؤ شے ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کمی کس چیز کی ہے؟ تقویٰ کی۔ ہم میں یہ خرابیاں اس کے باوجود ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے، آخرت میں ہمیں اپنے ہر ہر عمل کا جواب دینا ہے، مگر خدا خوفی نہیں ہے، دل یقین سے محروم ہیں، اُن میں اِس پکڑ کا احساس ہی نہیں ہے، لہٰذا حرام کاریاں، سیاہ کاریاں، بداعمالیاں، جھوٹ، فریب، گناہ، معصیت ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اِسی بنا پر ہم خارجی میدان میں بھی بے توقیر ہیں۔ چونسٹھ سال پہلے ہم آزاد ہوئے، مگر دنیا کی نظر میں ہماری کوئی حیثیت اور وقار نہیں ہے۔ پوری دنیا میں ہمارا کوئی مقام نہیں ہے۔ ہمارے گرین پاسپورٹ کو حقارت اور شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ذلت، یہ رسوائی، یہ خواری اور یہ جگ ہنسائی تقویٰ سے محرومی کی وجہ سے ہے۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے۔ آخرت کی کامیابی کے لیے تو تقویٰ کا ہونا اور بھی ضروری ہے۔ نجات اُخروی کے لیے اہم ترین شرط تقویٰ ہے۔ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ جنت تیار ہی اُن لوگوں کے لیے کی گئی ہے جن کے پاس تقویٰ کی پونجی ہو۔ مثلاً ''(جنت) تیار کی گئی ہے متقین کے لیے'' (آل عمران: 133) اور ''کامیابی متقین کے لیے ہے۔'' (النبا: 31) اور فرمایا: ''بے شک متقین جنت میں ہوں گے اور اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے۔'' (الطور: 17) ایک اور مقام پر فرمایا: ''بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں (عیش کر رہے) ہوں گے۔'' (الذاریات: 15)

یہ تقویٰ ہوگا تو ہم گناہوں سے بچیں گے، ورنہ نہیں بچ سکیں گے۔ اِس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ دیکھیے، ہم جانتے ہیں کہ ٹریفک سگنلز کو توڑنا قانون کی خلاف ورزی ہے لیکن چونکہ قانون کے احترام کا جذبہ نہیں ہے، لہٰذا جب ہم یہ دیکھتے کہ کانسٹیبل کھڑا نہیں، تو قانون کو توڑ دیتے ہیں، اس لیے کہ کوئی دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے۔ اگر کانسٹیبل ہو بھی مگر اکیلا ہو اور اس کے پاس موٹر سائیکل نہ ہو، تب بھی بعض لوگ اشارے کی خلاف ورزی کر دیتے ہیں، یہ خیال کر کے کانسٹیبل دیکھ تو رہا ہے، مگر ہمیں پکڑ نہیں سکتا۔ تقویٰ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، وہ ہر وقت ہمیں دیکھ رہا ہے، اور کوئی بھی اس کی گرفت سے نکل نہیں سکتا، بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ اس بات کو بطور عقیدہ تو ہم مانتے ہیں لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس پر یقین نہیں ہے۔ یقین ہو تو گناہ کیوں کریں۔ روزہ اِسی تقوے کے حصول کے لیے عملی مشق ہے۔ اس خاص عبادت کی برکت یہ ہے کہ اس سے ہمیں ایمان اور یقین کی دولت ملے گی، نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی عملی ٹریننگ حاصل ہوگی، تقویٰ کی پونجی میسر آئے گی، جو اُخروی کامیابی اور گناہوں سے بچنے کے لیے لازمی ہے۔ یہ عملی ٹریننگ کیا ہے؟ یہ کہ روزے کی حالت میں کچھ حلال چیزوں سے بھی بچو، یہ پابندی قبول کرو کہ صبح صادق سے لے کے غروب آفتاب تک جائز ذرائع سے تم کچھ کھانے پینے اور جنسی خواہش پوری کرنے سے احتراز کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تمہارے اندر وہ روحانی طاقت پیدا ہوگی کہ تم سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں حرام اور ناجائز چیزوں سے بچ سکو گے۔

رمضان کی فضیلت نزولِ قرآن کی بنا پر ہے۔ چنانچہ یہ بات فرمادی کہ

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾

''رمضان کا مہینہ (وہ ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ کرنے والا ہے''

ماہِ رمضان کا تعارف ہو رہا ہے کہ اسے بقیہ مہینوں پر قیاس نہ کرنا' کیونکہ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی عظیم نعمت نازل ہوئی ہے کہ زمین کے اوپر اس جیسی کوئی نعمت اور اس سے زیادہ فضیلت والی کوئی شے نہیں ہے۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن حکیم ہے۔ اور قرآن کیا شے ہے۔ یہ نوعِ انسانی کے لیے ہدایت ہے۔ اور ہدایت ہی وہ سرمایہ ہے، جس کی ہم نماز کی ہر رکعت میں دُعا مانگتے ہیں، ''(اے اللہ) تو ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے دے''۔ ہدایت دنیا کی زندگی میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو اللہ نے قرآن کی شکل میں پورا فرما دیا۔ یہ وہ ہدایت نامہ ہے جو پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ اس میں مرد اور عورت، حکمران اور رعایا، عالم اور بے علم، والدین اور اولاد، خاوند بیوی، استاد اور شاگرد، کسان اور مزدور، غرض ہر شخص کے لئے رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ یہ ہدایت کی روشن دلیلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ہدایت کو ہر انداز سے واضح کیا گیا' تا کہ ہر شخص جس میں ذرا بھی طلب ہو' وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اسی سے معلوم ہوگا کہ کیا حق ہے اور کیا باطل ہے؟ یہ پیمانہ ہے جس پر ہر شے کو پرکھا جائے گا کہ کیا چیز درست ہے' کیا غلط ہے؟ کون سا نظریہ درست ہے' کون سا فلسفہ غلط ہے؟ کون سا طرزِ عمل درست ہے' کون سا غلط۔

یہ رمضان اور قرآن کا تعارف تھا۔ اب آیت کے اگلے حصے میں ماہِ صیام کے روزے کا حکم دیا گیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

''تو (اے مسلمانو!) تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے' اس پر فرض ہے کہ اس ماہ کے روزے رکھے۔''

یہ ہے صیامِ رمضان کی فرضیت کا واضح حکم۔ ماہِ رمضان کے روزے ہر عاقل و بالغ پر فرض ہیں' خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتا ہو۔ نابالغ شخص پر یا جو ذہنی طور پر بیمار اور عقل سے محروم ہو' روزے فرض نہیں ہیں۔

غور کیجیے، جس عظیم مہینے میں قرآن نازل ہوا اُسی میں روزہ فرض کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ روزہ اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ روزہ سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے' اور اہل تقویٰ ہی کے لئے قرآن مجید ہدایت اور رہنمائی کا سامان ہے۔ جیسے فرمایا: ''یہ وہ کتاب ہے جس (کے منجانب اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں' ہدایت ہے متقین کے لیے۔'' (البقرہ: 2) عام طور پر یہ اشکال اٹھایا جاتا ہے کہ متقین تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں' انہیں ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تقویٰ کی تھوڑی بہت پونجی کا ہونا ضروری ہے۔ جس شخص کے ضمیر میں زندگی کی تھوڑی سی رمق بھی ہو تو گویا اُس کے اندر تقویٰ کی کچھ نہ کچھ پونجی موجود ہے' اور وہی قرآن سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کا روزہ رکھنا فرض قرار دیا۔ اور پھر فرمایا: ''اس مہینے کی راتوں میں قیام کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔'' دن کے روزے کے ساتھ قیام اللیل کی بڑی ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیام اللیل کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ لیکن اس کو فرض نہیں قرار دیا۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ اُن کے لیے یہ عملاً ممکن نہیں ہوتا۔ فرض کریں، ایک محنت کش ہے۔ اُس نے سارا دن محنت کی ہے۔ وہ رات کو دیر تک کیونکر جاگ سکتا ہے۔ لیکن اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی، لہٰذا اس ماہ مبارک کی برکات سے فائدہ اٹھانے کا صحیح طریقہ بھی ہے کہ آدمی دن میں روزہ رکھے اور رات کا بڑا حصہ قرآن کے ساتھ

گزارے۔ قرآن کے سننے، پڑھنے اور سمجھنے میں مشغول رہے۔ مسلمانوں کے لیے اس قرآن سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کہا گیا کہ دن میں روزہ رکھو اور رات قرآن کے ساتھ گزارو۔ الغرض رمضان کا صحیح نسخہ ہے: دن کا روزہ رات کا قیام۔

رات کے قیام کے حوالے سے مطلوب تو یہ ہے کہ پوری رات یا رات کا بڑا حصہ قرآن پڑھنے پڑھانے ہی میں گزارا جائے اور قرآن کی ہدایت کو اپنے اندر جذب کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے گئے اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا ایمان واحتساب کی کیفیت کے ساتھ اُس کے بھی پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے۔''

اگر کسی کو قرآن کا ترجمہ آتا ہو اور پھر وہ رات کو کھڑا ہو کر نوافل میں قرآن پڑھ رہا یا سن رہا ہو تو اس کی اپنی ہی تاثیر ہے، اس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے قرآن کی ہدایت منکشف ہوگی اور انسان کے لیے اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع پیدا ہوگا۔ اقبال نے کہا تھا ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

متذکرہ حدیث میں قیام اللیل کا جو ذکر ہوا ہے، اُس کا انطباق کم از کم ایک تہائی رات پر ہوتا ہے۔ یعنی رات کا تیسرا حصہ قرآن کے ساتھ گزارا جائے۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کو جو سورۂ مزمل میں حکم آیا ہے، اُس میں کم از کم ایک تہائی رات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤﴾

''رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات۔ یعنی نصف رات یا اس سے کچھ کم۔ یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔''

پس اگر ایک شخص ایک تہائی رات قرآن کے ساتھ جاگے تو وہ حدیث کے مطابق ''قام رمضان'' پر عمل پیرا ہوجائے گا، البتہ زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ دو تہائی رات اس کیفیت سے گزاری جائے۔ تاہم چونکہ ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت عمر ؓ کے دور میں تراویح کا ایک مرتب نظام سامنے آیا تا کہ ہر مسلمان اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور اُٹھالے۔ ایک محنت کش بھی کم سے کم ایک پارہ تراویح میں سن کر رمضان میں پورے قرآن کی سماعت مکمل کرلے۔

روزہ اور قرآن کی باہمی نسبت ایک اور حدیث سے بھی واضح ہے۔ آنحضور ﷺ فرماتے ہیں: ''روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرما)! اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے (اور آرام کرنے) سے روکے رکھا تھا' پروردگار، آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما)! چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اسے نوازا جائے گا)''

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

قرآن مجید دراصل ہماری روح کی غذا ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے: وجودِ حیوانی اور روحِ ربانی۔ وہ صرف حیوانی وجود ہی نہیں رکھتا بلکہ اس میں ایک روح بھی پھونکی گئی ہے، جس کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔

﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (سورۃ الحجر:29)

''جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔''

روح کے اندر خیر کی طرف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر انسان دوسرے کی مدد کر کے خوش ہوتا ہے، اپنا پیٹ کاٹ کر کسی بھوکے کو کھانا کھلانے سے اُسے مسرت ہوتی ہے۔ روح کے تقویہ کے لیے اصل غذا قرآن مجید ہے۔ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور قرآن مجید کا تعلق بھی عالم امر سے ہے۔ جب ہماری روح عالم امر کی شے ہے تو اس کے لیے غذا بھی اس زمین سے نہیں ملے گی، وہیں سے آئے گی اور وہ غذا قرآن حکیم ہے۔ روح طاقتور تب ہوگی جب ہم قرآن حکیم سے اپنے تعلق کو مضبوط بنائیں، اُسے پڑھیں، سمجھیں، اِسے عام کریں، اُس کی تعلیمات پر چلیں، گناہوں منکرات اور معصیتوں سے بچیں۔

روزے کا ثواب کس درجے ہے، اس کا اندازہ کیجئے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم کی اولاد کا ہر عمل دونا ہوتا ہے، ایک نیکی دس سے لے کر سات سو تک بڑھ جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: روزہ میرے لیے خاص ہے، اس کا اجر اور بدلہ میں خود عطا کروں گا۔ اِس لیے کہ میرا بندہ میری وجہ سے اپنی خواہشات اور کھانا چھوڑتا ہے۔''

جب رب تعالیٰ کہتا ہے کہ میں ہی روزہ کی جزا دوں گا تو اس کا مطلب لامحدود اجر ہے۔ مگر یہ اجر تب ملے گا جب روزہ تمام آداب وشرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے رکھا جائے۔ اسی لیے تو آنحضور ﷺ نے بہت واضح طور پر ہمیں متنبہ فرمایا کہ ''بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں (روزہ سے) سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ملتا۔'' یہ کون لوگ ہیں؟ اس کی وضاحت ایک اور حدیث میں ملتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹے کام کرنا (غلط کام گناہ کے کام کرنا) نہ چھوڑا تو پھر اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔'' یہ عجیب بات ہوگی کہ روزے کی حالت میں آدمی جائز و حلال چیزوں سے تو دور رہے مگر جو چیزیں مستقل حرام اور ناجائز ہیں، ان سے نہ بچے۔ یہ تو ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ ایسے شخص کا روزہ حقیقت میں روزہ نہیں ہے۔ روزہ درحقیقت اُس شخص کا ہے جو ہر قسم کی غلط بات اور غلط فعل سے اپنے آپ کو بچائے۔ اُس کی زبان سے کوئی غلط بات نہ نکلے۔ اُس کے اعضاء وجوارح سے کوئی غلط حرکت سرزد نہ ہو۔ وہ کسی غلط کام میں حصہ دار نہ بنے۔ جو شخص اس انداز سے روزے رکھے گا اُسے تقویٰ کی پونجی ملے گی۔ ورنہ وہ روزے کی برکات سے محروم رہے گا۔ یہ روزے کے تصور ہی کی نفی ہے کہ انسان روزہ رکھ کر غلط کام کرے، گناہوں میں ملوث ہو، جن چیزوں سے روکا گیا ان کا ارتکاب کرے۔

آگے روزہ کی قضا کا قاعدہ بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ﴾

''اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دُوسرے دنوں میں (روزہ رکھ کر) اُن کا شمار پورا کرلے۔ اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا''۔

جو کوئی حالت سفر میں ہو یا بیمار ہو' وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے' لیکن ضروری ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر گنتی پوری کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سہولت ہے' کیونکہ وہ تمہارے ساتھ آسانی اور نرمی چاہتا ہے' تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا' وہ تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں

(باقی صفحہ 3 پر)

رمضان المبارک

نزولِ قرآن اور کثرتِ تلاوت کا مہینہ

حافظ مشتاق ربانی

رمضان اور قرآن کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ رمضان قرآن حکیم کا مہینہ ہے، اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ یہ تنزل تین طرح سے ہوا۔ پہلا تنزل لوح محفوظ میں ہوا۔ ارشاد ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾﴾

(البروج)

''بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے، لوح محفوظ میں ہے۔''

واضح رہے کہ اس مرحلے کے لیے امام زرکشی اور امام سیوطی نے ''نزول'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ البتہ ''مناھل العرفان فی علوم القرآن'' میں امام زرقانی نے ''تنزل'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی دکھائی دیتی ہے کہ اس موقع کے لیے تنزل یا نزول کا لفظ موزوں نہیں ہے، کیونکہ قرآن حکیم کی آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے جن میں قرآن حکیم کا لوح محفوظ میں ہونے کا ذکر ہے۔

دوسرا ''تنزل'' لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں بیت العزۃ میں ہوا، جو لیلۃ القدر میں یکبارگی ہوا۔ لیلۃ القدر رمضان المبارک کی ایک عظمت والی رات ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾﴾ (القدر)

''ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ (الدخان:3)

''ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا۔''

اسی بات کو روزوں کے ذیل میں نازل ہونے والی آیت میں فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

(البقرہ:185)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔''

جو اہل علم دو ''تنزلات'' مانتے ہیں، ان کے نزدیک یہ پہلا تنزل ہے اور دوسرا تنزل وہ ہے جو یہاں بطور تیسرا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تنزل بیت العزۃ سے وہ ہے جس میں حضرت جبرائیل امینؑ اللہ کے حکم سے موقع و محل کی مناسبت سے تھوڑی تھوڑی آیات لے کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ نزول آپؐ کے قلب مبارک پر ہوا۔ ارشاد ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾﴾

(الشعراء)

''اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ آپؐ کے دل (مبارک) پر القاء کیا ہے، تاکہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہو۔ (یہ القاء بھی) صحیح عربی زبان میں ہوا ہے۔''

یہ تیسرا نزول تب شروع ہوا جب پیارے حبیب ﷺ غور و فکر کی غرض سے غار حرا میں تشریف لے جاتے۔ ایک روز جب آپ غار حرا میں تھے کہ حضرت جبرائیل امینؑ اللہ کے حکم سے حاضر ہوئے، اور کہنے لگے: ''اقرأ''۔ پیارے حبیب ﷺ فرمانے لگے: ((ما أنا بقارئ)) ''میں پڑھ نہیں سکتا۔'' حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو بھینچا، جس سے آپؐ کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ حضرت جبرائیلؑ نے پھر انہیں چھوڑا۔ اور پھر کہا: ''اقرأ''۔ پیارے حبیبؐ نے پہلے والا جواب دیا: ((ما أنا بقارئ)) حضرت جبرائیلؑ امین نے پھر دوسری مرتبہ آپؐ کو بھینچا، جس سے آپؐ کی قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر فرشتے نے چھوڑ دیا۔ پھر آپؐ سے کہا گیا: ''اقرأ'' نبی کریم ﷺ نے پھر وہی جواب دیا: ((ما أنا بقارئ)) حضرت جبرائیلؑ نے پھر آپ کو دبایا، جس سے آپ کی قوت برداشت جواب دینے لگی تو حضرت جبرائیلؑ نے چھوڑ دیا۔ اِس طرح تین مرتبہ ایک ہی عمل ہوا۔ چوتھی مرتبہ حضرت جبرائیلؑ امین نے کہلایا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿١﴾﴾ (العلق)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''

پھر آپ کی زبان پر وحی جاری ہو گئی۔ اس طرح سورۃ العلق کی ابتدائی آیات آپؐ پر نازل ہوئیں۔

اس مقام پر اہل علم کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ آپؐ پر قرآن حکیم کے نزول کی ابتدا رمضان المبارک میں ہوئی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔''

کیونکہ لفظ قرآن کا اطلاق پورے قرآن پر بھی ہوتا ہے اور اس کے کسی حصے پر بھی۔ اس لیے اگر ہم یہاں ''القرآن'' سے قرآن حکیم کا خاص حصہ مراد لیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں آپؐ پر قرآن مجید کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں جو یکبارگی قرآن نازل ہوا، یہ اس کا ذکر ہو رہا ہے۔

یہ بات تو ہوئی قرآن حکیم کے رمضان المبارک میں نزول کی، جہاں تک اس کی تلاوت کا تعلق ہے تو نبی مکرم ﷺ اس مہینہ میں کثرت سے تلاوت فرماتے، بلکہ حضرت جبرائیل امینؑ سے قرآن سنتے اور سناتے۔ متفق علیہ حدیث نبوی ہے:

((وكان يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن))

''حضرت جبرائیلؑ رمضان کی ہر رات نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرتے، تو وہ آنجنابؐ سے قرآن کا دورہ کرتے۔''

اسی طرح حضرت فاطمہ ؓ سے بخاری و مسلم میں حدیث مروی ہے کہ حضرت جبرائیل امین ہر سال رمضان المبارک میں پیارے حبیب ﷺ سے دور کرتے، لیکن وصال/وفات والے سال آپؐ نے دو مرتبہ دور کیا۔

ان دونوں احادیث سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ رمضان المبارک اور قرآن کا آپس میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے دن بندۂ مومن کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے رب! میں نے اس بندے کو کھانے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا، پس میری اس کے حق میں شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: (اے پروردگار) ''میں نے اسے رات کے وقت سونے

سے روکے رکھا، لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں (روزہ اور قرآن) کی سفارش کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔‘‘

ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر ہم روزہ رکھیں لیکن رات کو قرآن کی تلاوت نہ کریں تو قرآن ہمارے حق میں کیونکر سفارش کرے گا۔ اس لیے رمضان المبارک کی راتوں میں ہمارے پاس موقع ہے کہ ہم تراویح میں حفاظ کرام کی اقتدا میں نمازِ تراویح ادا کریں۔ شہروں میں تراویح میں تقریباً تمام مساجد میں حفاظ کرام قرآن سناتے ہیں، بلکہ بعض حفاظ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے سنانے سے محروم بھی رہتے ہیں۔ اسی طرح دیہاتوں میں بھی حفاظ کرام تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔ البتہ بعض دیہات اب بھی محروم چلے آ رہے ہیں۔ حالانکہ حفاظ کی کمی نہیں ہے۔ ان دیہاتوں میں اب بھی سورۃ الفیل تا سورۃ الناس تک آخری دس سورتیں پہلی دس رکعتوں میں پڑھی جاتی ہیں اور پھر اگلی دس رکعتوں میں دوبارہ انہی سورتوں کی تلاوت کر کے بیس رکعات مکمل کر لی جاتی ہیں اور وہ لوگ جو آٹھ رکعات تراویح ادا کرتے ہیں، ان کے لیے اور سورتیں کم ہو جاتی ہیں۔ یہ بات ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ان اہلِ دیہہ کو چاہیے کہ حفاظ کرام کے ساتھ تراویح پڑھنے کا اہتمام کریں۔ اگر کسی حافظِ قرآن کو مصلّی (اس کے اصلاً معنی تو پڑھنے کی جگہ کے ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰہٖمَ مُصَلًّی ؕ﴾ [البقرہ:125] ’’اور جس مقام پر ابراہیمؑ کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو‘‘۔ لیکن مصلّی تراویح میں قرآن حکیم سنانے کو بھی کہتے ہیں) سنانے کا موقع نہیں ملتا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں اہتمام کرے۔ جہاں اس کی اقتدا کرنے والے اس کے بھائی، بہنیں، ماں اور باپ ہوں گے۔ اس سے گھر برکتوں سے مالا مال بھی ہوگا۔ لیکن اگر حفاظ کرام رمضان المبارک میں بھی قرآن مجید سنانے سے محروم رہیں تو حفظ قرآن کے بھولنے کا اندیشہ ہے، جس کا وبال بہت سخت ہوگا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض حفاظ اتنی تیزی سے قرآن پڑھتے ہیں کہ اقتدا کرنے والوں کو صرف یعلمون اور تعلمون کی سمجھ آتی ہے۔ اتنی تیزی سے قرآن پڑھنا آدابِ تلاوت کے خلاف ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ۝۴﴾ (المزمل) ’’اور قرآن حکیم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔‘‘ بعض مساجد میں حفاظ کرام کا بھی اس میں قصور نہیں ہوتا، نمازی حضرات بھی تقاضا کرتے ہیں کہ جلدی پڑھا جائے، تاکہ ایک گھنٹے میں بیس رکعات مکمل ہو جائیں، اور اگر ایک گھنٹہ سے دس پندرہ منٹ اوپر ہو جائیں تو حافظ صاحب سے کہیں گے کہ آج تاخیر ہو گئی ہے۔

بعض لوگ رمضان المبارک میں کئی طرح کے وظائف اور اذکار میں مشغول نظر آتے ہیں، جو کہ فی نفسہٖ ممنوع نہیں ہیں، لیکن انہیں زیادہ توجہ قرآن حکیم کی تلاوت پر دینی چاہیے، کیونکہ سب سے اہم ذکر قرآن حکیم ہے۔ اس کا ایک نام الذکر بھی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹﴾ (الحجر)

’’بے شک ہم نے ہی اس کو بطور الذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔‘‘

قرآن حکیم کے الذکر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی پہچان رہتی ہے۔ یہ ہمیں اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے روکتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہمیں نبی مکرم ﷺ کی اطاعت یاد رہتی ہے۔ یہ ہمیں آخرت کے احوال سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہمیں اپنے حقوق و فرائض کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔

رمضان المبارک میں یہ عمل بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ میں نے تین قرآن مکمل کیے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے دو دفعہ پڑھا ہے۔ یقیناً یہ بات ﴿وَفِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ۝۲۶﴾ (المطففین) کے مصداق فخر کرنے والی ہے، لیکن ہمارا فوکس قراءت کی عمدگی پر ہونا چاہیے اور پھر اس بات پر توجہ ہونی چاہیے کہ ہم نے کس حد تک اس کو سمجھا ہے۔ کتنی آیات ہمارے زیرِ تدبر رہی ہیں اور قرآن حکیم کی کس بات کو ہم نے اپنے عمل کا حصہ بنایا ہے۔ اس جانب اگر ہم پیش رفت کریں تو ہمارا تھوڑا پڑھا ہوا بھی کفایت کرے گا۔

رمضان اور قرآن کے اس باہمی تعلق کا تقاضا ہے کہ ہم کثرت سے تلاوت کریں۔ اس کے معانی پر غور کریں، اس کا تذکر حاصل کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم سے جو تعلق قائم ہوا ہو، اس کو پورا سال برقرار رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ رمضان المبارک ختم ہوتے ہی قرآن سے تعلق منقطع ہو جائے۔

خلافت فورم

☆ ایک مسلمان کی زندگی میں روزہ کی کیا اہمیت ہے؟
☆ جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ کیا ہے؟
☆ رمضان المبارک کی وجہ سے حکومت اور عوام کے شب و روز میں تبدیلی نظر کیوں نہیں آتی؟
☆ نمازِ تراویح کی اہمیت و فضیلت کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں نمازِ تراویح کا اہتمام کیسے ہوتا تھا؟
☆ قرآن و سنت کی روشنی میں رمضان اور قرآن کا باہمی تعلق کیا ہے؟
☆ رمضان کے روزے نہ رکھنے کا فدیہ کیا ہے۔ کن کن صورت میں روزہ سے عارضی یا مستقل استثناء ملتا ہے؟
☆ رمضان کے احترام میں ریسٹورنٹ بند، لیکن سودی کاروبار، فلمیں اور سٹیج ڈرامے جاری رہتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل کیسا ہے؟

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

مہمانانِ گرامی:
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)
حافظ محمد زبیر (ریسرچ سکالر، تحقیق اسلامی، مرکزی انجمن خدام القرآن)

میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خطاب پنجم: سیرت النبیؐ میں باطل سے تصادم کے تکمیلی مراحل

اسلام کی کرنیں مدینہ منورہ میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا فکر انگیز خطاب

آپؐ طائف سے مکہ واپس آنے لگے، مگر مسئلہ یہ تھا کہ مکہ میں کفار آپؐ کے قتل کے درپے تھے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں؟ کس طرف جائیں، کدھر دیکھیں، کسے آواز دیں۔ مکہ تو جاسکتے نہیں تھے، مگر پھر بھی یہ عالم اسباب ہے۔ یہاں تدبیریں تو کرنی پڑتی ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اخنس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپؐ کو پناہ دے دے۔ مگر اخنس نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس کے بعد آپؐ نے سہیل بن عمرو کے پاس بھی پیغام بھیجا۔ مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کردی کہ بنی عامر کی دی ہوئی پناہ بنوکعب پر لاگو نہیں ہوتی۔ اس کے بعد آپؐ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم نے کہا: ہاں، میں آپ کو پناہ دیتا ہوں اور پھر ہتھیار پہن کر اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلایا اور کہا تم لوگ ہتھیار باندھ کر خانہ کعبہ کے گوشوں پر جمع ہوجاؤ۔ کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔ اس کے بعد مطعم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ مکے کے اندر آجائیں۔ آپؐ پیغام پانے کے بعد حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ہمراہ لے کر مکہ تشریف لائے، اور مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد مطعم بن عدی نے اپنی سواری پر کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ قریش کے لوگو! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔ اب انہیں کوئی اذیت نہ دے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ سیدھے حجر اسود کے پاس پہنچے، اسے چوما، پھر دو رکعت نماز پڑھی، اور اپنے گھر کو پلٹ آئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور ان کے لڑکوں نے ہتھیار بند ہوکر آپؐ کے اردگرد حلقہ باندھے رکھا، تا آنکہ آپؐ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر ابوجہل نے مطعم سے پوچھا تھا کہ تم نے پناہ دی ہے یا پیروکار (مسلمان) بن گئے ہو؟ مطعم نے جواب دیا تھا کہ پناہ دی ہے۔ اس جواب کو سن کر ابوجہل نے کہا تھا کہ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

رسول اللہ ﷺ نے مطعم بن عدی کے اس حسن سلوک کو کبھی فراموش نہ فرمایا۔ چنانچہ بدر میں جب کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد قید ہوکر آئی اور بعض قیدیوں کی رہائی کے لیے حضرت جبیر بن مطعم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

((لو کان المطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی ھٰؤلآءِ النتنی لترکتھم لہ))

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔''

اِسی دور کا، جس میں حضور ﷺ کو پروٹیکشن حاصل ہوگئی تھی واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اپنے حواریوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں حضور ﷺ تشریف لائے اور آپؐ نے نماز پڑھنی شروع کی۔ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر دشمن اسلام آپؐ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے آپؐ کی طرف بڑھا۔ ابھی آپؐ کے قریب نہ پہنچا تھا کہ اچانک خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹ گیا اور اُس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ ابوجہل کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا تو اُس سے کہنے لگے: ابوالحکم کیا بات ہوئی؟ کہنے لگا، مجھے میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی ایک کھائی نظر آئی، جس میں ایک پروں والی مخلوق تھی۔ چنانچہ میں گھبرا کر پلٹ آیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ اگر وہ (ملعون) آگے بڑھتا تو فرشتے اُس کی بوٹی بوٹی جدا کردیتے۔ بہرحال یوم طائف جو آپؐ کی ذاتی پراسیکیوشن کی انتہا ہے کے بعد آپؐ کی معجزانہ انداز میں حفاظت ہوئی۔ یہ گویا اللہ کی نصرت خصوصی ہے۔ یہ نصرت کب حاصل ہوتی ہے؟ اللہ کی مدد کا قاعدہ کیا ہے؟ یہ بھی جان لیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے پیغمبروں کو بھیج کر حق و باطل کا معرکہ برپا کرایا ہے۔ اُس کی سنت یہ ہے کہ باطل جب آخری حد تک پورا زور دکھا چکتا ہے اور بندگانِ خدا ایک ایک کرکے تمام مراحل استبداد سے صبر جمیل کے ساتھ گزرتے ہوئے اپنے تمام وسائل راہ خدا میں جھونک دیتے اور مقدور بھر تکالیف جھیل لیتے ہیں تو پھر نصرت الٰہی کی صبح طلوع ہوجاتی ہے۔ طائف کے تجربے کے بعد گویا حضور ﷺ اس آخری امتحان سے گزر گئے۔ قانونِ الٰہی کے تحت ضروری تھا کہ اب نصرت الٰہی کے دروازے کھل جائیں، لہٰذا آپؐ کو خصوصی پروٹیکشن حاصل ہوگئی۔ اس سے پہلے آپؐ کو یہ پروٹیکشن حاصل نہ تھی۔ دوسرے لفظوں میں طائف کے واقعہ کے بعد حضور ﷺ کی ذاتی طور پر معجزانہ انداز میں حفاظت ہوئی۔

مطعم بن عدی کی پناہ میں آنے کے بعد آپؐ نے یہاں افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ اب آپؐ آزادانہ طور پر تبلیغ کرتے تھے۔ موسم حج قریب تھا۔ چنانچہ آپؐ ایام حج میں حسب معمول منیٰ تشریف لائے، تاکہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپؐ جمرۂ عقبہ کے پاس پہنچے تو آپؐ کو مدینہ سے آئے ہوئے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ نظر آئے۔ آپؐ نے اُن سے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپؐ نے اُن کو اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ مدینہ میں بالعموم لوگ یہودیوں کو دبا کر رکھتے تھے۔ جب باہم جھگڑا ہوتا تھا تو یہودی اُن کو دھمکی دیتے تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ جب وہ آئیں گے تو ہم اُن کے ساتھ مل کر تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت جب خزرج کے لوگوں نے سنی تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے، اللہ کی قسم یوں لگتا ہے یہی وہ نبی کریم ہیں

جن کے بارے میں یہودی تمہیں دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ کہیں وہ تم سے آپؐ کی پیروی میں سبقت نہ لے جائیں۔ اس لیے انہوں نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام لے آئے۔ آپؐ پر ایمان لانے کے بعد یہ لوگ آپؐ سے رخصت ہو کر مدینہ چلے گئے۔

اب یہاں تھوڑا سا مدینہ کا تاریخی پس منظر بھی بتا دیا جائے۔ مدینہ کا پرانا نام یثرب تھا۔ اسے بنیادی طور پر چند یہودی قبائل نے آباد کیا تھا، جو "Lost tribes of the Jewish" (بنی اسرائیل کے کھوئے ہوئے قبیلے) کہلاتے ہیں۔ پہلے پہل یہود کے تین قبیلے، بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ یہاں آباد ہوئے۔ اُن کے یہاں آباد ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کے پاس یہ پیشین گوئی تھی کہ کھجوروں کی اس سرزمین میں آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے، اس لئے وہ آخری نبی پر ایمان لانے کے لیے فلسطین سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ پھر جوں جوں یہودیوں کی نسل پھیلتی گئی، مدینہ کے آس پاس اُن کی نئی بستیاں قائم ہوتی گئیں۔ مدینہ کی آبادی کا دوسرا عنصر انصار تھے۔ اِن کا اصل وطن یمن تھا، اور یہ قحطان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس زمانے میں سیل العرم نامی خوفناک سیلاب نے تباہی مچائی اور یمن کا مشہور ڈیم سدِ مآرب ٹوٹا، اُس زمانے میں بچے کھچے لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ بہت سے قبائل عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ اُسی زمانے میں قحطان قبیلے میں سے دو بھائی اوس اور خزرج یثرب آ پہنچے اور یہود سے اجازت لے کر یہاں آباد ہو گئے۔ اس طرح یثرب پانچ قبیلوں کا شہر تھا۔ دو عرب قبائل تھے اوس اور خزرج اور تین یہودی قبائل بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ مدینہ کے مخصوص ماحول میں یہودی اور عرب قبائل کے درمیان مناقشت چلی آتی تھی اور باہمی تعلقات میں حریفانہ جذبات کام کر رہے تھے۔ یہودی اپنی سازشوں سے جنگ و فساد کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ وہ اتنی مہارت سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کے بیج بوتے اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ اِن قبائل کو احساس ہی نہ ہوتا۔ اس کے بعد اِن قبائل میں جنگ مسلسل جاری رہتی اور یہ اُن کا تماشا دیکھتے۔ البتہ بھاری بھرکم سودی قرض دیتے رہتے تاکہ سرمایہ کی کمی سے لڑائی بند نہ ہو جائے۔ اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی رہتی تھی۔ بعض لڑائیاں نسل در نسل چلتی رہتی تھیں جیسے ہمارے ہاں قتل در قتل کا لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اِدھر یہودی کسی نہ کسی عرب قبیلے کے حلیف بن گئے تھے۔ پھر جب بھی عرب اور یہودی قبائل میں جھگڑا اور جدال ہوتا، یہودی اکثر مار کھاتے تھے۔ یہ بنیے ٹائپ لوگ تھے، جیسے ہمارے ہاں بنیا کسی گاؤں کے اندر جا کر کوئی چھوٹی سی دکان کھول لیتا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا محل بنا ہوتا تھا اور باقی لوگوں کی زمینیں اس کے پاس رہن ہوتی تھیں۔ لیکن اگر کہیں جھگڑا ہوتا تھا' وہی مار کھاتا تھا۔ اس لیے کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ یہی معاملہ ان یہودیوں کا تھا۔ انہیں بھی اکثر مار پڑتی رہتی تھی۔ یہودیوں کو جب بھی مار پڑتی تو وہ دھمکی آمیز انداز میں کہتے تھے کہ دیکھو، آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ جب وہ نبی آئے گا تو ہم اس کے ساتھ ہو کر تم سے جنگ کریں گے، پھر تم ہمیں کبھی شکست نہیں دے سکو گے۔ یہودی یہ پیشین گوئیاں اس لئے کرتے تھے کہ ان کے پاس سرمایۂ اعتقاد تھا۔ وہ پڑھے لکھے لوگ تھے، صاحب کتاب تھے۔ ان کے پاس کتاب تورات اور شریعت تھی۔ ان میں علماء، مفتی اور قاضی تھے۔ ان کی عدالتیں تھیں۔ یہود کے برعکس اوس اور خزرج اجڈ اور گنوار لوگ تھے۔ ان کے پاس کوئی کتاب تھی' نہ تعلیم۔ لہٰذا ان پر یہودیوں کا ایک رعب تھا۔ یہود کی آخری نبی کی پیشین گوئی نے اوس و خزرج قبائل کو بھی آخری پیغمبر موعود کا منتظر بنا دیا تھا۔ اوس اور خزرج یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ اگر آپس میں لڑتے مرتے رہے' تو ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا کوئی ثالث (orbitrator) ہونا چاہیے' جو ہمارے معاملات کو کنٹرول کرے۔ الہٰذا طے کر لیا گیا تھا کہ خزرج جو بڑا قبیلہ تھا، اس کے سردار عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنا لو۔ اس کے لئے ایک سونے کا تاج تیار کر لیا گیا تھا۔ تاج پوشی کی نوبت ابھی نہیں آئی کہ حضورﷺ یثرب تشریف لے گئے، یعنی بے تاج بادشاہ بن کر وہاں آ گئے۔ اس اجمال سے معلوم ہوا کہ مدینہ کی فضا آپؐ کی یثرب آمد کے لئے پہلے سے ہموار تھی۔

جمرہ عقبہ میں اسلام قبول کرنے والے لوگوں نے مدینہ واپس آ کر اپنی قوم کے سامنے رسول اللہﷺ کی تعلیمات کا تذکرہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ سال 11 نبوی کے موسم حج میں انصار کے بارہ آدمی جمرۂ عقبہ کے پاس آپؐ سے ملے اور آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ پہلی بیعت تھی۔ اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اِس میں آپؐ نے اِن لوگوں سے شرک، چوری، زنا، بچوں کے قتل، جھوٹے الزام اور اپنی اطاعت کی بیعت لی۔ اس پہلی بیعت کے بعد رسول اللہﷺ نے اِن اسلام لانے والوں کی درخواست پر اُن کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا، تاکہ وہ اہل مدینہ کو قرآن سکھائیں۔ حضرت مصعبؓ نے مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہؓ کے ہاں قیام کیا۔ اُن کی تبلیغی مساعی اور بہترین اندازِ تعلیم سے اسلام کا نور پھیلنے لگا۔ حضرت سعد بن معاذؓ جو اپنے قبیلے کے سردار تھے، مسلمان ہو گئے، پھر اور لوگ بھی اسلام قبول کرتے گئے۔

اگلے سال 12 نبوی کے موسم حج میں مدینہ سے 70 افراد آئے اور آپؐ سے عقبہ کی گھاٹی میں ملاقات کا پروگرام طے کیا۔ اِن لوگوں نے آپؐ کو بایں الفاظ مدینہ تشریف آوری کی دعوت دی: یا رسول اللہﷺ ہم آپؐ سے کن شرائط پر آپؐ کی مدینہ تشریف آوری کا معاہدہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ معاہدہ اس بات پر ہوگا کہ تم ہر پسند و ناپسند میں میری اطاعت پر کاربند ہو گے۔ نیکی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، اللہ کی بات کرو گے، اللہ کے مقابلے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو گے اور جب میں تمہارے ہاں آ جاؤں تم میری مدد کرو گے اور اپنے جان و مال اور بیوی بچوں کی طرح میری حفاظت کرو گے۔ اس کے نتیجے میں تمہیں جنت ملے گی۔ اِس پر سب انصار اُٹھے اور آپؐ کی بیعت کر لی۔ اس بیعت کے حوالے سے حضرت عبادہ بن صامت سے مروی یہ حدیث ملاحظہ کیجئے جو بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ فرماتے ہیں:

(بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَ الْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ الْمَكْرَهِ وَ عَلٰی اَثَرَةٍ عَلَیْنَا وَ عَلٰی اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَ عَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

''ہم نے رسول اللہﷺ سے بیعت کی تھی کہ ہم (آپؐ کا) حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ مشکل ہو خواہ آسان' خواہ ہماری طبیعت کو خوش گوار لگے خواہ ناگوار ہو' خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے۔ اور جس کو بھی ہم پر امیر بنا دیا جائے گا ہم اس سے جھگڑیں گے نہیں' اور ہم حق بات کہتے رہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں اور اللہ کے معاملہ میں (حق کہنے سے) کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈریں گے۔''

بیعت کر لینے کے بعد حاضرین میں سے حضرت براء بن معرور ؓ نے آپؐ کا دست مبارک پکڑا اور عرض کی، قسم ہے اُس ذات کی، جس نے آپؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، ہم اپنی ذات سے بڑھ کر آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ اللہ کی قسم ہم نسل درنسل جنگجو لوگ رہے ہیں اور اسلحہ کا استعمال خوب جانتے ہیں۔ اس کے بعد انصار نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ساتھ آپؐ کو غلبہ نصیب ہو جائے تو کہیں آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس نہ آجائیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، اب تو زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ میں اور تم ایک ہوں گے، جس سے تمہاری جنگ ہوگی اس سے میری بھی جنگ ہوگی اور جس سے تمہاری صلح ہوگی اس سے میری صلح ہوگی۔''

عقبہ میں ہونے والی پہلی اور دوسری بیعت کے الفاظ مختلف ہیں۔ پہلی بیعت دراصل توحید اور اخلاقی تعلیمات کے حوالے سے تھی کہ ہم شرک نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے وغیرہ۔ دوسری بیعت اسلامی نظم جماعت کی بنیاد ہے۔ اس کی بنیاد پر مسلمانوں کا نظم قائم ہوتا ہے۔

☆☆☆

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی پشاور غربی کے ملتزم رفیق حیدر علی کے بھائی جگر کے کینسر میں مبتلا ہیں اور انڈیا میں تبدیلی جگر کے لیے ہسپتال میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو صحت عطا فرمائے۔ رفقاء و احباب سے بھی دعائے صحت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

- منفرد اسرہ کلبانی (بونیر) کے ملتزم رفیق محمد انور باچا کے پوتے اور محمد ایاز باچا (نقیب اسرہ) کے بھتیجے ملائیشیا میں عمارت سے گر کر وفات پا گئے
- تنظیم اسلامی نوشہرہ کے معتمد جان نثار اختر کے ماموں بقضائے الٰہی وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقاء و احباب سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللّٰھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی رحمتک وحاسبھم حسابًا یسیرًا

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

رجوع الی القرآن کورسز (پارٹ I اور II)

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمہ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث وفقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 12 ستمبر سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 12 ستمبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی

K-36 ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem. org

ندیم سہیل
0322-4371473
0312-4140589

بقیہ: بے حیائی کی لعنت

جا رہا ہے۔ یہ وہ لباس ہے جو انگلینڈ میں سرکاری لباس ہے۔ علاوہ ازیں پورے بازؤں اور کچھ شانوں کے حصے کو کپڑوں سے آزاد کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ بے حیائی کے اس طوفان کو روکنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہمیں تو حکم ہے کہ نیکی پھیلانے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور برائی کی اشاعت میں کسی قسم کے تعاون سے اجتناب کرو۔ جو قوم بے حیا ہو جایا کرتی ہے، اس پر نئی نئی بیماریاں مسلط کر دی جاتی ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں طرح طرح کی نئی نئی بیماریاں سامنے آرہی ہیں جن کا مشاہدہ بہت سے لوگ جاگتی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ آگے بڑھے اور اپنی استعداد کے موافق بے حیائی کو ختم کرنے کی جدوجہد کرے۔ ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون وہی ہے جو اس سے قبل عمل میں آچکا ہے۔ ہم اس کے چہیتے نہیں ہیں۔ اہل دانش اس پر اپنے قلم اُٹھائیں اور اہل علم اپنی خاموشی توڑیں۔ علماء کرام آپس کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر اس مشترک دشمن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور عوام الناس کو اس کے خطرات سے آگاہ کریں کیونکہ بہت سے نادان مسلمان اس سے ناآشنا ہیں اور اسے کوئی خطرہ ہی نہیں سمجھتے۔

عذاب کی وہ مختلف شکلیں جو اللہ تعالیٰ نے ماضی قریب میں بے حیائی اختیار کرنے والوں پر مسلط کیں وہ ہمارے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں۔ اب یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح اگر ہم اس جرم سے باز آجائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں پسپا کر دے گا۔ بصورت دیگر وہ دروازے سے کود پڑیں گے۔ پھر نہ فوجی مہارت کام دے گی نہ اسٹریٹیجک ہتھیار، بلکہ ایک طویل داستان شروع ہوگی جسے ہماری آئندہ نسلیں قلم بند کریں گی، اور ہم اجتماعی قبروں سے ان کا نظارہ کریں گے۔

(بشکریہ روزنامہ ''اسلام'')

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے زیر اہتمام

''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام''

کے موضوع پر **ڈاکٹر ابصار احمد** کا خصوصی لیکچر
(صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور)

رپورٹ: خورشید انجم

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کے زیر اہتمام ماہانہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، جس میں مختلف اصحاب فکر ونظر کو اظہار خیال کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، مدیر سہ ماہی حکمت قرآن اور شعبۂ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی کے سابق چیئرمین ڈاکٹر ابصار احمد کا ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام'' کے موضوع پر لیکچر تھا۔ اس کی تجویز پشاور یونیورسٹی شعبۂ فلسفہ کے طالب علم اور تنظیم اسلامی پشاور جنوبی کے معتمد محسن حبیب نے دی، تاکہ پشاور کے پڑھے لکھے لوگوں کو رجوع الی القرآن کی اس تحریک سے متعارف کرایا جاسکے۔ یہ پروگرام 21 جولائی 2011 کو منعقد ہوا۔ جس کا فیصلہ انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا کی مجلس منتظمہ نے اپنی ماہانہ میٹنگ منعقدہ یکم جولائی 2011 میں کیا تھا۔ اس لیکچر کے لیے خصوصی طور پر دعوت نامے تیار کیے گئے۔ اس کے علاوہ موضوع کے تعارف پر مبنی سہ ورقہ پمفلٹ تیار کروا کر پشاور یونیورسٹی، خیبر میڈیکل یونیورسٹی، انجینئرنگ یونیورسٹی اور زرعی یونیورسٹی کی مختلف فیکلٹیز کے پروفیسرز اور بعض دیگر تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام کو بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے تحریر کردہ کتابچے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام'' کے ہمراہ دیا گیا۔ موضوع کی مناسبت سے شعبۂ فلسفہ جامعہ پشاور کے سابق چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم سے تقریب کی صدارت کی درخواست کی گئی جو انہوں نے قبول کرلی۔

صدر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ڈاکٹر ابصار احمد 21 جولائی 2011 بروز جمعرات ڈیڑھ بجے ڈائیوو بس کے ذریعے پشاور پہنچے۔ تقریب کا آغاز بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی، جلیم ٹاور نشتر آباد پشاور میں حافظ محمد زبیر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعد ازاں راقم نے سٹیج سیکرٹری کی حیثیت سے موضوع کا اور مہمان مقرر کا تعارف کروایا۔ یہ وضاحت کی گئی کہ ڈاکٹر محمد سلیم سے رابطہ ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی نجی مصروفیت کی بنا پر اسلام آباد میں ہیں اور حاضر نہ ہونے پر معذرت خواہ ہیں۔ اس لیے صدر انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا ڈاکٹر محمد اقبال صافی سے تقریب کی صدارت کی درخواست کی گئی۔

مہمان مقرر ڈاکٹر ابصار احمد نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمت مسلمہ کے عروج وزوال سے اسلام کے چہرے پر بطور مذہب اور دین جو پردے پڑ جاتے ہیں اُنہیں ہٹانے کے لیے مذہب کا بار بار احیاء اور تجدیدی عمل ناگزیر ہے۔ اور جب تاریخی واقعات کا چیلنج اور اثرات زیادہ ہی گہرے اور شدید ہوں تو مذہب کے حوالے سے ایک مکمل نشاۃ ثانیہ یا حیات نو کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس کے لیے عصر حاضر میں بھی ہمیں امام غزالی اور ابن تیمیہ جیسے علمی ناقدین کی ضرورت ہے۔ کتابچہ ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام'' کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ تحریر بانی تنظیم کی برپا کردہ پوری قرآنی تحریک اور جملہ دعوتی وتنظیمی مساعی کے لیے بمنزلہ اساس ہے۔ چنانچہ اسی کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور قرآن اکیڈمی کے منشور (manifesto) کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور دین کے غلبہ کے لیے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا کی جائے اور اس کے لیے منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین قرآن حکیم کے علم وحکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر واشاعت ضروری ہے اور اسی مقصد کے لیے انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور نے جون 1967 کے ماہنامہ میثاق میں ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ، کرنے کا اصل کام'' کے موضوع پر ایک مبسوط مقالہ شائع کیا۔ جس میں جائزہ لیا گیا کہ موجودہ دور مغربی فلسفہ وفکر اور علوم وفنون کی بالادستی کا دور ہے اور یہ بالادستی دوگونہ ہے یعنی عسکری وسیاسی بھی اور ذہنی وفکری بھی۔ انہوں نے کہا کہ احیائے اسلام کے لیے تجدید ایمان شرط لازم ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد ایمان پر ہے اور احیائے اسلام کا خواب ایمان کی عمومی تجدید کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ایک زبردست علمی تحریک اٹھے جو معاشرے کے ذہین ترین عناصر کے فکر ونظر میں انقلاب برپا کردے۔ چنانچہ ایک عمومی دعوت وتبلیغ کا ادارہ ہو جو عوام الناس کو قرآن کی بنیاد پر تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دے اور ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے جو علوم قرآنی کی عمومی نشرواشاعت کا بندوبست کرے اور انہی مقاصد کے لیے انجمن خدام القرآن اور مختلف قرآن اکیڈمیوں کا قیام عمل میں لایا گیا اور پھر تجدید ایمان، توبہ اور تجدید عہد کی بنیاد پر غلبہ واقامت دین کے لئے تنظیم اسلامی قائم کی گئی، تاکہ اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوسکے۔ انہوں نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ یہ کتابچہ خاصا عسیر الفہم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر احمد افضال نے جو امریکہ میں مقیم ہیں، اس مختصر سی کتاب پر نہایت محنت کی ہے، اور کتابچے کے دس ذیلی عنوانات کی بہت تفصیل سے شرح کی ہے، جو عنقریب طبع ہوجائے گی۔

دوسرے روز بروز جمعہ 22 جولائی کا دن خصوصی ملاقاتوں کے لیے مختص تھا۔ پشاور یونیورسٹی شعبۂ فلسفہ کے طالب علم اور تنظیم اسلامی پشاور جنوبی کے معتمد محسن حبیب نے طویل ملاقات کی اور فلسفہ کے حوالے سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے خیالات کو سراہا اور خصوصاً نوجوانی کے عالم میں وسیع مطالعہ، مختلف اصحاب علم وفضل کے ساتھ تعلق اور ان کے ساتھ مکالمہ پر ان کی تحسین فرمائی اور کچھ مفید مشورے بھی دئے۔ تنظیم اسلامی پشاور شمالی کے نقیب اُسرہ محمد عمر قریشی نے بھی ڈاکٹر صاحب سے بعض فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو کی۔ علاوہ ازیں بانی تنظیم اسلامی کے سیاسی افکار پر ایم فل کا تھیسس لکھنے والے رفیق تنظیم اسلامی فواد لوہانی بھی ڈاکٹر صاحب سے ملے، جن کا تعلق ڈیرہ اسماعیل خان سے ہے۔ انہوں نے A Critical Analysis of Dr.Israr Ahmad's Views on Islamic Revolution (ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریہ اسلامی انقلاب کا تنقیدی جائزہ) کے موضوع پر ایم فل پولیٹیکل سائنس کا تھیسس لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نماز جمعہ جامع مسجد ابوبکر الصدیق، سعد اللہ جان کالونی میں ادا کی۔ اور تنظیم اسلامی حلقہ خیبر پختونخوا کے دفتر کا دورہ کیا گیا۔ بعد ازاں لاہور روانہ ہوگئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم) کچھ یادیں کچھ باتیں!

عبدالقیوم فہیم

ڈاکٹر صاحب پیشین گوئی کرتے تھے کہ

''افغانستان میں اسلامی حکومت دوبارہ قائم ہوگی اور وہ اس قدر مضبوط ہوگی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کی راہ ہموار کرے گی''

تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی تقاریر میں بلا کی تاثیر تھی جس نے پاکستان کے نوجوان طبقے کو خاص طور پر متاثر کیا۔ راقم بھی لاہور میں قیام کے دوران مرحوم کے اندازِ تقریر اور سحر بیانی سے متاثر ہوا۔ تاہم ان سے ملاقات کا موقع بہت بعد میں اس وقت ملا جب سری نگر سے آئے ایک مہمان کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں ان کی رہائش گاہ ماڈل ٹاؤن لاہور جانا ہوا۔

یہ پہلی ملاقات اکتوبر 2006ء میں ہوئی۔ بعد ازاں مزید تین ملاقاتیں رہیں۔ دوسری ملاقات ایک جریدے کے لیے فلسطین کی صورتحال پر ان سے تفصیلی انٹرویو کی صورت میں رہی جبکہ تیسری اور چوتھی ملاقات 2009ء کے وسط میں ان کے مختلف لیکچرز کے بعد ہوئی۔ ان چاروں ملاقاتوں میں ڈاکٹر صاحب (مرحوم) سے ہونے والی گفتگو کا احوال ایک کتاب کا متقاضی ہے۔ گوکہ ان کے ساتھ نجی گفتگو کا دورانیہ زیادہ رہا، تاہم وہ نجی گفتگو بھی مسلسل انٹرویو اور سوال و جواب کی صورت میں رہی۔ یہ عجیب بات ہے کہ عام گفتگو میں بھی ڈاکٹر صاحب کی خطابت کا بانکپن جوبن پر دکھائی دیتا۔ یہی ان کی اہم ترین خوبی تھی جس سے بات دل میں اترتی اور گھر کرتی چلی جاتی تھی۔ عام گفتگو میں دریا کی سی روانی اور اس میں علامہ اقبالؒ کے اردو اور فارسی اشعار کی برمحل آمیزش گفتگو کو اور بھی دلنشیں بنا دیتی تھی۔ ان کے انداز بیان پر بے ساختہ میر تقی میر یاد آتے تھے ۔

میر دریا ہے سنو شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

ڈاکٹر صاحب سے ہونے والی ان ملاقاتوں میں جو سوالات اُٹھائے گئے ان میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کی وجوہات، جماعت میں دوبارہ شمولیت کے امکانات، تنظیم اسلامی کا مستقبل، فکری اعتبار سے جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے درمیان فاصلہ، پاکستان میں خلافت اسلامیہ کے قیام کے امکانات، عالمی اسلامی تحریکیں، افکار اقبالؒ اور جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے نظریات، علامہ اقبالؒ کے مسلم لیگ سے تعلق کی نوعیت، مسئلہ کشمیر اور اس کے حل کا طریقہ کار، اس سلسلے میں تنظیم اسلامی کا نظریہ، پاکستان میں طالبان کے مقاصد اور طالبانائزیشن، اس حوالے سے تنظیم اسلامی کا نظریہ اور مسئلہ فلسطین پس منظر و پیش منظر اور ان جیسے بہت سے موضوعات شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے تفصیلی جوابات دیئے۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں پاکستان کی حدود میں دہشت گردی کے خلاف جنگ دراصل امریکا اور دیگر پاکستان دشمن ممالک کی سازش ہے جو پاکستان کی فوج اور عوام کو لڑا کر پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا چاہتے ہیں

جماعت اسلامی سے علیحدگی کی وجوہات واضح ہیں جس کا تذکرہ وہ خود بھی کئی مواقع پر اپنی تقاریر اور تحاریر میں کر چکے ہیں، تاہم راقم کے اس سوال پر کہ اختلافات کے باوصف انہوں نے بالآخر جماعت اسلامی سے علیحدگی کا فیصلہ ''آخری اور حتمی'' کیوں سمجھا؟ کیا مزید انتظار یا جماعت میں رہ کر اسے واپس اصل ''ٹریک'' پر لانے کا ''آپشن'' موجود نہیں تھا؟ اس پر ڈاکٹر صاحب نے ایک طویل سانس لی اور کہنے لگے ''یہ ایک ایسا تلخ سوال ہے جو شاید زندگی بھر میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا، دراصل جس چیز کو میں شروع سے صحیح سمجھتا تھا اس کے برملا اور فوری اظہار میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، جب میں اسلامی جمعیت طلبہ میں تھا تب بھی اپنے موقف پر سختی سے کاربند تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ سے فراغت کے بعد ایک دن بھی جماعت سے الگ نہیں رہنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے میں نے اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت سے استعفا دینے کے ساتھ ہی جماعت اسلامی کی رکنیت کا فارم پُر کیا۔ جب تک جماعت اسلامی اپنی اصل فکری اساس پر قائم تھی، کسی اور راستے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جب فکری اساس کو دھچکا لگا تو راستہ الگ کرنے میں بھی تاخیر نہیں کی۔ ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان میں اختلافات کے بعد میں شاید کم عمر ارکان میں شامل تھا تاہم میرا خیال تھا کہ علیحدگی کا میرا فیصلہ سو فیصد صحیح ہے''۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور مولانا مودودیؒ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی رہے تاآنکہ مولانا اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا جماعت سے علیحدگی کے بعد کبھی ان کے دل میں مولانا مودودیؒ سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی؟ اس پر انہوں نے کہا: ''شروع میں تو ایسا نہیں تھا۔ ستر کی دہائی کے آغاز میں دل میں مولانا سے ملنے کی خواہش ضرور پیدا ہوئی تھی اور وقت کے ساتھ اس خواہش نے جوش بھی مارا۔ جب مولانا امریکا میں زیر علاج تھے تب اس خواہش کو عملی شکل دینے کے لیے تہیہ بھی کر لیا تھا تاہم قدرت کو ہماری ملاقات منظور نہ تھی۔ چنانچہ میری خواہش پوری ہونے سے قبل مولانا دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ ہمارے درمیان صرف ایک ملاقات کا پردہ تھا۔ ایک دفعہ

ملاقات ہو جاتی تو دیگر ملاقاتوں کے لیے راہ ہموار ہو سکتی تھی۔ ایسی صورت میں یہ عین ممکن تھا میں مولانا مودودیؒ کو اس پر قائل کر لیتا کہ وہ جماعت اسلامی کو دوبارہ اس کی اصل اساس پر لے کر آئیں"۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ جماعت اسلامی میں آنے میں تاخیر نہ کرتے، تاہم مولانا کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جماعت کی موجودہ قیادت کو قائل کرنا ناممکن ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم سے ملاقات ہو اور مفکر اسلام علامہ اقبالؒ کا تذکرہ نہ ہو، کیسے ممکن ہے۔ سو ان سے پہلی ملاقات میں علامہؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کے سامنے سوالات اُٹھائے جن میں سے بعض کے جوابات انکشاف انگیز بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب برملا اعتراف کرتے تھے کہ اگر برصغیر میں انہیں بچپن میں علامہ جیسی شخصیت کے سحر انگیز کلام سے واسطہ نہ پڑتا تو شاید ان کا راستہ اور منزل کوئی اور ہوتی۔ انہیں اسلام اور قرآن کی طرف لانے والی پہلی شخصیت اقبالؒ ہیں، جن کے پُر اثر کلام نے پرائمری کے تعلیمی دور میں انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا دعویٰ تھا کہ ان کی جماعت "تنظیم اسلامی" علامہ اقبال کے افکار اور نظریات کی اصل ترجمان ہے۔ انہوں نے علامہ کے خلافت اسلامیہ سے متعلق اشعار کو بطور حوالہ پیش کیا اور کہا کہ تنظیم اسلامی ہی افکار اقبال پر کام کر رہی ہے۔

مسلم لیگ اور علامہ اقبال کے تعلق کی بابت سوال پر ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا: "یہ ایک ایسا سوال ہے جس کی طرف کم ہی لوگوں کی سوچ جاتی ہے۔ اقبالؒ کی سیاسی سوچ کو ان کے کلام کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ گو کہ جماعت اسلامی کا قیام علامہ کے انتقال کے بہت بعد ہوا، تاہم میرا خیال ہے کہ اس سوچ کو ڈویلپ کرنے میں علامہ کے کلام اور افکار کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس امر کا قوی امکان موجود ہے کہ اگر جماعت اسلامی علامہؒ کی زندگی میں قائم ہوتی یا علامہ جماعت اسلامی کے قیام تک زندہ ہوتے وہ مسلم لیگ پر جماعت اسلامی کو ترجیح دیتے۔ تاہم یہ بھی ہوتا کہ وہ جماعت کے اساسات سے ہٹنے کے بعد اپنا راستہ الگ کر لیتے۔ علامہ اگرچہ مسلم لیگ میں شامل رہے تاہم فکری اعتبار سے ایک الگ نظریہ رکھتے تھے جو مسلم لیگ سے قدرے دور اور بعد میں قائم ہونے والی جماعت اسلامی کے زیادہ قریب تھا۔ جماعت اسلامی کی ابتدائی فکر اور افکار اقبال کے درمیان مماثلت تھی"۔

> ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ
> "تنظیم اسلامی
> علامہ اقبال
> کے افکار و نظریات
> کی اصل ترجمان ہے"

انہیں ایسا لگتا ہے کہ اقبالؒ قیام جماعت اسلامی کے بعد تک زندہ رہتے تو زیادہ دیر تک مسلم لیگ میں نہ رہ پاتے اور جلد جماعت اسلامی میں شامل ہو جاتے، کیونکہ جس خدائی نظام کے نفاذ کے لیے جماعت اسلامی کی بنیاد پڑی تھی اقبال کئی سال سے اپنے کلام سے اس کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانان برصغیر کو دعوت دے چکے تھے۔ اگر مسلم لیگ ہی میں رہتے تب بھی وہ اسے اپنے فکری دھارے میں لانے کی کوشش کرتے، اس سلسلے میں انہیں کوئی زیادہ دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ رہا ان کا مسلم لیگ کے اجلاسوں کی صدارت کرنا، یا اس کے پلیٹ فارم سے اس وقت کے مروجہ سیاسی نظام کے تحت ایک آدھ مرتبہ انتخابات میں حصہ لینا محض ایک عارضی اور وقتی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ کوئی مستقل حکمت عملی نہ تھی۔ ڈاکٹر اسرار مرحوم نے کہا کہ علامہ اقبال موجودہ طرزِ جمہوریت کے نہ صرف مخالف تھے بلکہ "دشمن" تھے، صرف خلافت اسلامیہ کے احیاء کے داعی تھے جس کا اب تنظیم اسلامی پرچار کر رہی ہے۔

عالم اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص خلافت اسلامی کے احیاء کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا "ویژن" کلیئر تھا۔ وہ اس اعتراف کے باوجود کہ ابھی دور دور تک خلافت اسلامی کے احیاء کے آثار نظر نہیں آتے، حالات سے مایوس نہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ خلافت جلد قائم ہوگی اور جب بھی ہوگی، اس کی فکری اساسات اس شجر سایہ دار کے تحت ہوں گی جس کی وہ آبیاری کر رہے ہیں۔ اپنے بعد فکر اقبال کی ترویج کے لیے ڈاکٹر صاحب جناب مجید نظامی صاحب کی خدمات کے نہ صرف معترف تھے بلکہ ان کا کہنا تھا کہ "مجید نظامی وہ واحد شخص ہیں جو قائد اعظم اور اقبال کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مجید نظامی کی کوششوں سے تحریک پاکستان کی جدوجہد تازہ ہوتی ہے، آج کے اس گئے گزرے دور میں جبکہ افکار اقبال کو سرد خانے کی نذر کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں اگر کوئی جاندار آواز سنائی دیتی ہے تو وہ مجید نظامی کی ہے۔ وہ ایک صحافی سے زیادہ قائداعظم کے سیاسی خیالات اور علامہ اقبال کی فکر کے "داعی" ہیں۔

افکار اقبال کے حوالے سے حکومتوں کی جانب سے لاپروائی کا مظاہرہ کرنے کا انہیں شدید رنج تھا۔ وہ کہتے تھے اقبال جیسے لوگ عطیہ خداوندی ہوتے ہیں جو روز روز نہیں بلکہ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں، ہم نے اقبال کے افکار کو فراموش کر دیا تو یہ خدا کی ناشکری کرنے کے مترادف ہوگا۔

سابق صدر جنرل (ر) ضیاء الحق کے دور میں ان کی مجلس شوریٰ میں رہنے سے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ صرف اس توقع کے ساتھ ضیاء الحق کی شوریٰ میں شامل ہوئے تھے کہ صدر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کر رہے تھے لیکن چند ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ ضیاء الحق کے مقاصد کچھ اور ہیں اور میرا ان کے ساتھ شوریٰ میں رہنا وقت کا ضیاع ہے۔ بعد کے حالات نے میرا تجزیہ درست ثابت کیا۔ وہ کہتے تھے کہ انہیں مختلف حکومتوں کی جانب سے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت کی پیشکش بھی کی جاتی رہی تاہم میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کا موجودہ ادارہ بے دست و پا ہے۔ آئیڈیالوجی کونسل صرف ایک نمائشی ادارہ بن کر رہ گیا ہے جو کم از کم دستیاب حالات میں اسلامی نظام کے لیے نہ تو سفارشات مرتب کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی سفارشات درخور اعتنا سمجھی جائیں گی۔ اس ادارے کو مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہونا چاہیے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ان کی فکر کافی حد تک مولانا مودودیؒ سے مستعار تھی۔ اس سلسلے میں وہ قرآن کی آفاقی تعلیم کو عوام الناس کے دلوں میں راسخ کرنے پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی فہم القرآن کو عام کرتے کھپا دی۔ البتہ ان کا فہم قرآن کا طریقہ روایتی سے زیادہ سائنسی تھا اور اسی پر وہ آخر دم تک زور دیتے رہے۔

مرحوم تحریک آزادیٔ کشمیر و فلسطین کو ان کے تاریخی اور جغرافیائی پس منظر میں دیکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ جموں و کشمیر کی تحریک تکمیل پاکستان کی

تحریک ہے، پاکستان کا قیام مکمل طور پر جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا، سو اس کی تکمیل کے لیے جدوجہد بھی پُر امن اور غیر مسلح ہونی چاہیے۔ اس ضمن میں وہ یہ تجویز دیتے تھے کہ کشمیر کی تمام آزادی پسند قوتیں مجتمع ہو کر عوام کے ایک جم غفیر کے ساتھ نئی دہلی میں آ کر بیٹھ جائیں، اس دوران ان پر بھارتی فوج تشدد بھی کرے گی، ممکن ہے گولی بھی چلائے، تاہم مظاہرین مکمل طور پر پُر امن رہیں۔ جب وہ اس طرح ایک دفعہ کریں گے تو پوری دنیا کی جانب سے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے بھارت پر دباؤ بڑھے گا۔ یوں کشمیر کی آزادی کی راہ ہموار ہوگی۔ البتہ فلسطین کی تحریک آزادی کا پس منظر الگ ہے، یہودیوں کا فلسطین پر کوئی حق نہیں اور صیہونی ریاست کا خاتمہ بزورِ قوت نہ صرف فلسطینیوں پر فرض ہے بلکہ ہر مسلم پر بھی لازم ہے۔ اسرائیل سے مذاکرات کا مقصد صیہونی ریاست کے ناجائز قیام کو تسلیم کرنا ہے، جو قطعاً ناجائز ہے۔ لہٰذا دونوں خطوں کی آزادی کی تحریکوں کو ان کے تاریخی اور جغرافیائی پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بارے میں ان کا نظریہ مختلف تھا جس پر انہوں نے کئی خطابات بھی دیئے۔ افغانستان کے طالبان کو ڈاکٹر صاحب تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، جن میں اوّل حقیقی طالبان، دوسرے مفادات کے لیے طالبان کے ساتھ ملنے والے قبائل اور تیسرے وہ لوگ جو اپنے منشیات کے کاروبار کے فروغ کے لیے مختلف روپ اختیار کرتے رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ انہیں وہ آخری جنگ دکھائی دیتی ہے جس کی پیشنگوئی نبی اکرم ﷺ نے کی تھی اور فرمایا تھا کہ ''مجھے مشرق سے ٹھنڈی ہوائیں محسوس ہو رہی ہیں''۔ پاکستان میں خودکش حملوں کے وہ اتنے ہی مخالف تھے جتنے پاکستانی علاقوں میں فوجی کارروائی کے خلاف۔ ان کے خیال میں پاکستان کی حدود میں دہشت گردی کے خلاف جنگ دراصل امریکا اور دیگر پاکستان دشمن ممالک کی سازش ہے جو پاکستان میں فوج اور عوام کو لڑا کر پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ مزید ظلم یہ ہے کہ مارا بھی انہیں جا رہا ہے جو کسی بھی مشکل کی گھڑی میں پاکستان کے دفاع کی فرنٹ لائن ثابت ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب افغانستان میں طالبان دور کی اسلامی حکومت کو احیائے اسلام کے حوالے سے ہوا کا سرد جھونکا خیال کرتے ہیں۔ افغانستان کے مستقبل کے بارے میں وہ پیش گوئی کرتے کہ انہیں لگ رہا ہے کہ افغانستان میں اسلامی حکومت دوبارہ قائم ہوگی اور اس قدر مضبوط ہوگی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کی راہ ہموار کرے گی۔

ڈاکٹر صاحب چونکہ خود ایک منظم جماعت کے بانی اور سربراہ تھے، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں پر بھی نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایک ملاقات میں جب دنیا بھر میں پھیلی اسلامی تحریکات سے متعلق ان سے استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں تاہم ان سب کے ایجنڈے مختلف ہیں جس کے باعث وہ اپنے اپنے جغرافیائی دائروں میں کوئی نتیجہ خیز اور موثر کردار ادا نہیں کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کو ''یک نکاتی ایجنڈے'' احیاء خلافت اسلامیہ پر اپنی کوششیں مرکوز کرنی چاہئیں، کیونکہ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس سے دنیا بھر میں کسی بھی ملک یا مکتب فکر کے وابستگی رکھنے والے مسلمان اختلاف نہیں کر سکتے۔ تاہم وہ یہ اعتراف کرتے کہ علاقائی سطح پر اسلامی تحریکوں کی احیاء اسلام کی کوششیں عالم اسلام میں خلافت کی راہ ہموار کر سکتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود کو صرف درس و تدریس تک محدود نہیں رکھا بلکہ ایک تنظیم کے سربراہ کی حیثیت سے وہ پاکستان کے زمینی حالات اور عوامی مسائل سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ ان سے آخری ملاقات کے دوران بھی ملک بدترین معاشی اور توانائی کے بحران سے دوچار تھا۔ اس صورت حال پر ان کے الفاظ تھے ''میں تو سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے موجودہ حکمران ہی عوامی بدحالی کا اصل سبب ہیں، تمام حکومتی اداروں میں اوپر سے نیچے تک جھاڑو پھیرنے کی ضرورت ہے۔ حکمران اپنے آدھے اخراجات کم کر دیں تو مہنگائی ختم ہو جائے گی''۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ پاکستان میں معاشی نظام کی ابتری کی ایک وجہ اس شعبے میں نااہل لوگوں کی موجودگی ہے، کیونکہ پاکستان میں نظام معیشت جو افراد کنٹرول کر رہے ہیں اول تو وہ عوامی مسائل سے آگاہ نہیں، دوم وہ بڑے عالمی مالیاتی اداروں کے چنگل میں گرفتار ہیں، تیسرا یہ کہ وہ خود کوئی منصوبہ بندی کی اہلیت نہیں رکھتے۔ معاشی نظام کی ابتری کا ایک اہم سبب ڈاکٹر صاحب کی نظر میں معاشی پالیسیوں میں عدم تسلسل بھی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پاکستان میں نہ صرف ہر آنے والی حکومت نئی معاشی پالیسیاں اور اصلاحات نافذ کرتی ہے بلکہ بعض دفعہ خود حکومت کی اپنی معاشی پالیسیاں اس کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ ملک میں زکوٰۃ کے نظام کو مؤثر بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ زکوٰۃ ہی کا نظام تھا جس نے آج سے چودہ سو سال قبل عالم اسلام کے زیر نگیں علاقوں میں انسانوں کو مادی دولت سے بھی مالا مال کر دیا تھا۔ آج بھی یہ نظام اپنی روح کے مطابق نافذ ہو جائے تو عوام کے دن بدل سکتے ہیں۔

''استحکام پاکستان'' اور اُس کے مصنف

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی کتاب 'استحکام پاکستان' کے مطالعہ کے بعد ایک قاری کے تاثرات

سیاست بھی، ادب بھی، دین بھی، دنیا بھی ہے اس میں
مصنف علم و آگاہی کا اک گہرا سمندر ہے
پکار اُٹھا میں استحکامِ پاکستان کو پڑھ کر
محقق اور مدبر ڈاکٹر اسرار نیّر ہے

(از: سید ذوالفقار علی شاہ نیّر مشہدی)

بے حیائی کی لعنت

ڈاکٹر جاوید اقبال

میڈیا کی آزادی نے بہت سے قومی وملی مسائل کو زیر بحث لایا۔ ان مسائل کے حل کے لیے مختلف فارمولے تجویز کیے جارہے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کو بروئے کار نہیں لایا جارہا۔ شاید اس لیے کہ عوام وخواص انہیں ان کے مسائل کا حل ہی تسلیم نہیں کررہے یا قابل عمل تجاویز کے اطلاق میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں۔ لیکن شاید ہم نے من حیث القوم اپنے حقیقی مسائل کا تعین ہی نہیں کیا یا ہم میں اس کی صلاحیت ہی نہیں۔

آج کے دور میں کوئی بھی قوم جن بے شمار مسائل سے دوچار ہوسکتی ہے انہیں چار اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول دفاعی خطرات، دوم معاشی کسمپرسی، سوئم سیاسی عدم استحکام اور چہارم سماجی مسائل۔ ان میں سے کسی ایک کی شدت پوری قوم کو غیر مستحکم کرسکتی ہے۔ یہ فارمولا تقریباً تمام اقوام پر صادق آتا ہے۔ تاہم دنیا میں اقوام عالم بہت سے گروہوں میں منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک تقسیم مذہب کی بنیاد پر ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ دنیا میں مذاہب دو ہی ہیں، ایک اسلام اور دوسرا کفر جس میں ہندو، بدھ، یہودی اور نصرانی قابل ذکر ہیں۔

مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو قانون الٰہی کے مطابق ڈھالنے کا پابند ہے اور کفر کے پیروکار اس قدغن سے آزاد ہیں۔ ہماری شریعت بتاتی ہے کہ دنیوی حالات و واقعات تمہارے افعال پر منحصر ہیں۔ اگر اعمال صالح ہوں گے تو حالات بھی اچھے ہوں گے۔ اس کے برعکس برے اعمال نامساعد حالات کو جنم دیتے ہیں جو اقوام کی تباہی پر منتج ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سابقہ اقوام کے احوال بیان فرما کر ہمیں اس حقیقت سے خبردار کیا ہے، بلکہ دوسرے الفاظ میں انتباہ کیا ہے کہ اگر تمہارے افعال بھی ان جیسے ہوں گے تو تمہارا انجام بھی انہی خطوط پر تشکیل پائے گا جو قبل ازیں کئی دفعہ دوہرایا جاچکا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ تم گندم بو کر چنے کاٹو۔ اور دلچسپ امر یہ ہے کہ افعال بد انجام دینے والی اقوام کو سارے وسائل کے ہوتے ہوئے تباہ وبرباد کیا گیا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ کسی دوسری طاقت کو مسلمانوں پر مسلط کیا گیا ہو۔ جیسے بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا کہ فرعون کے نرغے میں ڈال دیئے گئے اور وہ بھی اپنے افعال ہی کی بدولت محکوم ہوئے۔

کافر اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ لیکن وہ کسی دوسرے جرم کی پاداش میں زیر عتاب لائے گئے۔ مثلاً ایک قوم کو اپنی بداطواریوں کے باعث اقوام عالم کی حاکمیت سے برخاست کردیا گیا۔ برطانیہ کی جگہ امریکہ نے لے لی اور اب اسے چین للکار رہا ہے۔ معیشت دانوں کا خیال ہے کہ 2018ء میں چین امریکا سے معاشی اعتبار سے آگے نکل جائے گا۔ چین پچھلے دس سالوں کے دوران برطانیہ، جرمنی اور جاپان کو روند چکا ہے۔ قبل ازیں مسلمانانِ عالم قیصر وکسریٰ کو نابود کرچکے ہیں اور پھر خود نابود کردیے گئے۔

مملکت خداداد پاکستان جس بنیاد پر وجود میں آئی تھی اسے چوبیس سال کے مختصر عرصے میں بروئے کار نہ لاسکی، تو صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی۔ اور ویسٹ پاکستان اپنا ''ویسٹ'' گنوا کر پاکستان رہ گیا اور ایسٹ پاکستان نے لفظ پاکستان ہی کو مٹا ڈالا اور اپنے لیے نیا نام تجویز کیا اور یوں قائداعظم اور علامہ اقبال کا پاکستان دولخت ہوگیا۔ تاہم بقیہ پاکستان نے اس سے خاطر خواہ سبق نہ سیکھا اور آج پاکستان کے نام سے چھٹکارے کے لیے کیا کچھ نہیں ہورہا۔

مسلمان معاشروں میں جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے بغاوت عام ہوتی ہے تو قدرت کی سزا کا کوڑا برسنے لگتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بے حیائی کا فروغ مسلم معاشروں کے لیے ہمیشہ سم قاتل ثابت ہوا ہے۔ حالیہ تاریخ میں لبنان، عراق، ایران اور افغانستان اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ لبنان سارے جہاں کا مرکزِ سرور ہوا کرتا تھا اور خصوصاً عرب دنیا کا بے حیائی کا مرکز تھا۔ شاہ ایران کے دور میں ایران میں مادہ پرستی، بے حیائی اور بے پردگی کا طوفان برپا تھا۔ عراق میں بھی ایسے ہی حالات تھے۔ افغانستان میں 1974ء میں عورتیں سکرٹ زیب تن کیے ہوئے ہوا کرتی ہیں۔ یورپ میں بوسنیا کے مسلمان پوری طرح مغرب زدہ ہوچکے تھے۔ راقم کو ذاتی طور پر اِس کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ ان ممالک میں مسلمانوں کی جان، مال اور عفت کا کھلے عام مذاق اُڑایا گیا۔ لاکھوں انسان تہ تیغ کردیئے گئے، لاکھوں ماؤں بہنوں کو بے آبرو کیا گیا اور ملین کے حساب سے مسلمان اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور انہیں اپنا وطن پھر کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ظلم وجبر کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔

ہمارے اہل دانش جس وقت موجودہ حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی یہی کھیل کھیلا جارہا ہے۔ لیکن ''روشن خیالی'' کی روشنی میں چراغ تلے کا اندھیرا نظر سے اوجھل ہے۔ آج کا آزاد میڈیا اس کے بیج بو چکا ہے۔ لیکن کسی کو بھی اس طرف توجہ کرنے کی زحمت نہیں ہوئی۔

آج سے تقریباً دس سال پہلے ٹی وی کے ڈراموں، اشتہاروں میں اور اخبارات کے اشتہاروں میں عورت کو ٹراؤزر اور جین میں ملبوس دکھایا جانا شروع ہوا۔ ہر ذی شعور انسان یہ جانتا ہے کہ اس لباس میں عورت گویا کپڑے پہننے کے باوجود کپڑوں سے آزاد دکھائی دیتی ہے۔ میڈیا کی کاوشیں اب رنگ لانے لگی ہیں۔ تعلیمی اداروں میں بچیوں میں جینز اب عام ہورہی ہے۔ چند سال پہلے جو سینکڑوں میں ایک نے زیب تن کی ہوئی ہوتی تھی، اب نصف سے بھی زیادہ پہن رہی ہیں۔ دس سال پہلے جب میڈیا نے اس کا رواج ڈالا تھا، تب پہننے والیاں سات یا آٹھ سال کی بچیاں تھیں جو ایسے ماحول میں جوان ہوئیں جہاں اس قسم کے کپڑے پہننا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اسے اپنانے میں انہیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی۔ بے حیائی کا یہ ماحول عام زندگی میں نہ تھا بلکہ وہ میڈیا کے اندر پیش کیا جارہا تھا۔ آج کل اشتہارات میں عورتوں کو اس سے اگلے مرحلے کے لیے تیار کیا جارہا ہے۔ ایک اشتہار میں جو کہ ہمارا پاکستانی چینل دکھا رہا ہے، ایک خاتون کو منی سکرٹ پہنے دکھایا

(باقی صفحہ 10 پر)

The Relationship between Allah and the Believer: Explained by: Dr Israr Ahmad

The cognizance of Divine Companionship that is the hallmark of *Ihsan* results in a bilateral relationship between the believer and Almighty Allah, a relationship that has several dimensions. These dimensions can be appreciated by pondering over a number of key words that appear in the Qur'an with reference to a true believer *as well as* with reference to Almighty Allah; this parallel usage alludes to the reciprocal nature of the relationship between Allah and His faithful servants.

First, there is mutual *Wilayah* or friendship. Allah is the Friend and Guardian of those who believe (al-Baqarah 2:257), and similarly all pious believers are the friends of Allah (Yunus 10:62, 63). Second, there is mutual *Nusrah* or help and support. The Qur'an makes it clear thus: "O you who believe! If you help Allah, He will help you . . ." (Muhammad 47:7). To "help" Allah is to take part in the struggle for His Cause, and, in return, the believers can expect that Allah will make them steadfast and persevere in the struggle, and that He will never abandon them in the midst of their struggle. Third, there is mutual *Dhikr* or remembrance. We read in the Qur'an: "Therefore remember Me, (and) I will remember you . . ." (al-Baqarah 2:152). To remember Allah is to pray and glorify Him and to remain conscious of Him in each moment. In return, Allah will not ignore and disregard the believer or be indifferent to his or her supplications, but will shower His Mercy on the believer. Fourth, there is mutual *Shukr*, or gratitude from the servant and appreciation from the Lord. The Qur'an proclaims: ". . . whoever is grateful, truly his gratitude is for (the good of) his own self . . ." (al-Namal 27:40); and ". . . Allah is Appreciative, All-Knowing" (al-Baqarah 2:158). Fifth, there is mutual tawbah, or turning towards each other with loving attention. This connotes repentance on the part of the servant and acknowledgement and acceptance from the Lord. Again we read: "O you who believe! Turn to Allah with sincere repentance . . ." (al-Tahrim 66:8); and ". . . Verily, He is the One Who accepts the repentance and Who forgives" (Al-Nasr 110:3). Sixth, Almighty Allah and the believer gradually come closer and closer to each other. Although it is the Creator Himself who provides a greater share in the growth of this spiritual intimacy, yet the believer is required to take the initiative. Even though it is a given that the believer's initiative is itself the result of divine grace, Almighty Allah in His infinite generosity chooses to attribute that initiative entirely to the servant. This is explained in the following Hadith qudsi, as narrated by Imam Bukhari (R):

> Abu Hurayrah (R) reported that God's Messenger (SAW) said: Allah says: "I am just as My servant thinks I am, and I am with him when he remembers Me. If My servant remembers Me in his heart, I too remember him in My heart; if he remembers Me in a group of people, I remember him in a group that is better than they; if he comes one span nearer to Me, I go one cubit nearer to him; if he comes one cubit nearer to Me, I go a distance of two arm-lengths nearer to him; and if he comes to Me walking, I go to him running."

All the six dimensions of a positive and reciprocal relationship between Almighty Allah and His servant, as described above, can be summed up in one word: *mutual love*. In effect, Allah loves those who have reached the level of ihsan (al-Ma'idah 5:93) while the believers love Allah more than anything and anyone else (al-Baqarah 2:165).

تعارفِ کتاب

از: انجینئر مختار فاروقی ✪

ایک امریکی کی نگاہ میں امریکی معاشرے کی حقیقی تصویر یعنی

ع چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر کی ایک مثال

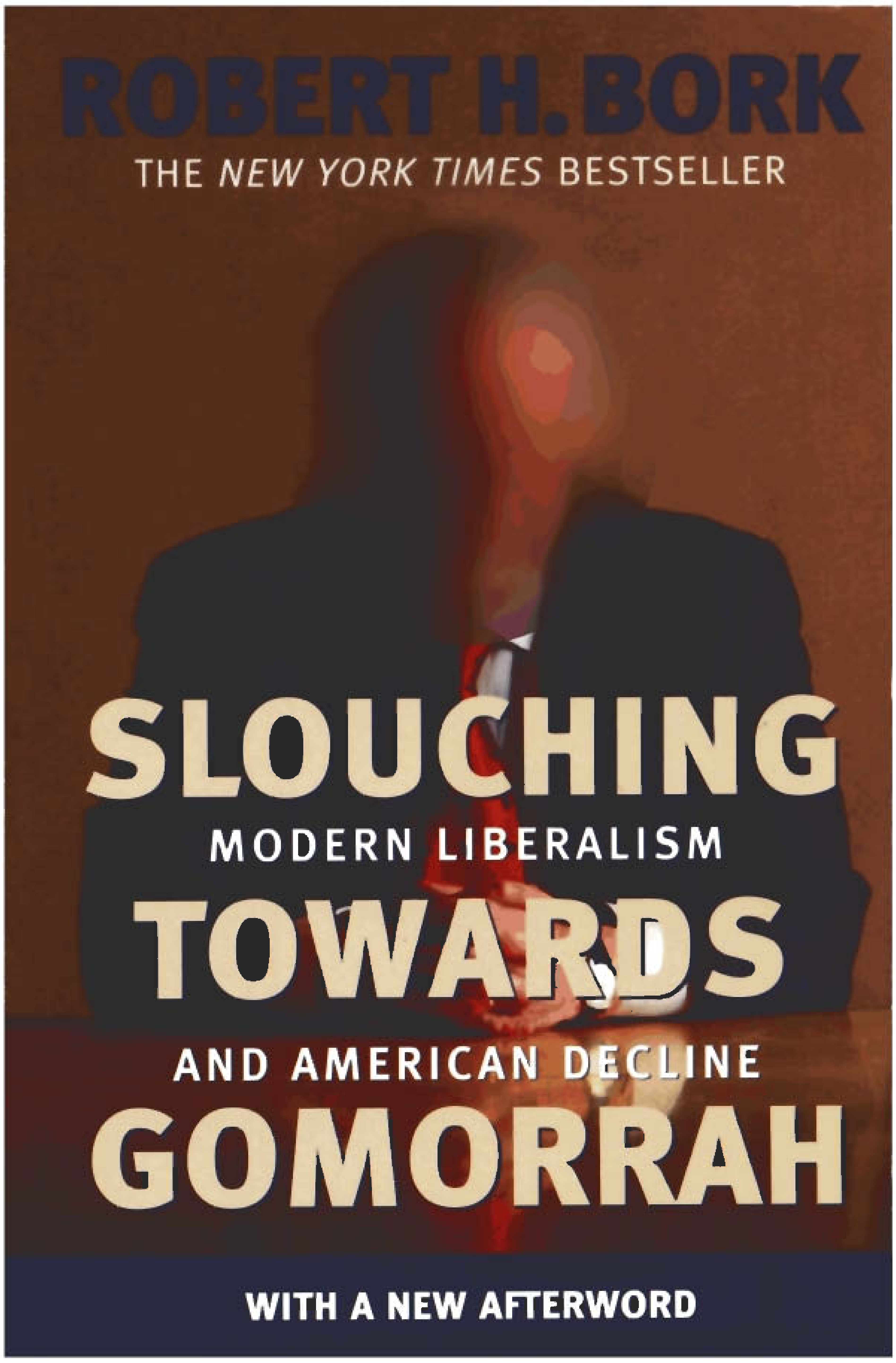

آج کے ترقی یافتہ مغربی معاشروں کا سرخیل بجاطور پر امریکہ ہے اور وہ 1776ء سے بعد کی مسلسل جدوجہد کے بعد آج اس مقام پر پہنچا ہے۔ اُس کا نعرہ (SLOGAN) ہی "ORDO NOVO SECLORUM" ہے جو ایک ڈالر کے امریکی نوٹ پر مسلسل طبع ہو رہا ہے۔ امریکی معاشرہ آج حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اعمال قبیحہ کا وارث ہے۔ کئی امریکی ریاستوں میں دو مردوں کی شادی کے قانون کے پھریرے اڑاتا، یورپ اور بھارت میں اپنی کامیابیوں پر اتراتا امریکہ حالیہ دنوں میں اپنے سفارت خانہ اسلام آباد کے زیر انتظام پاکستان میں قومِ لوط علیہ السلام کے سے اعمال کے پرستاروں کا اجتماع منعقد کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

آج امریکی معاشرہ لبرل ازم کی آڑ میں بے راہ روی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ اسی کو 1998ء میں ایک امریکی مصنف فوکویاما نے "END OF HISTORY AND THE LAST MAN" کا نام دیا تھا۔ گویا جو آزادیاں عوام کو آج امریکہ میں حاصل ہیں، اس سے زیادہ آزادی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

1998ء میں ہی امریکی اعلیٰ عدالت کے ایک ریٹائرڈ جج رابرٹ ایچ بارک نے اپنی کتاب میں امریکی معاشرے کی ایک متضاد تصویر پیش کی تھی۔

اس کتاب کے پہلے صفحہ کا عکس ساتھ دیا گیا ہے۔

اس پر یہ عبارت درج ہے:

SLOUCHING
MODERN LIBERALISM
TOWARDS
AND AMERICAN DECLINE
GOMORRAH
WITH A NEW AFTERWORD

تقریباً چار سو صفحات کی یہ کتاب نیویارک ٹائمز نے شائع کی تھی اور یہ BESTSELLER کا اعزاز حاصل کر چکی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے امریکی معاشرے کی یہ کیفیت بیان کی ہے کہ امریکی معاشرہ گزشتہ تین چار عشروں سے قوم لوط علیہ السلام کی راہ پر بگٹٹ جا رہا تھا اور اب قوم لوط علیہ السلام کے انجام (یعنی عذابِ الٰہی) کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

کتاب پڑھنے کے قابل ہے۔ افسوس کہ امریکی یاترا کرنے والے اور امریکی معاشرے کے گن گانے والے اس معاشرہ کے بارے میں ایسی حقیقت پسندانہ اور چشم کشا باتیں...... یا تو جانتے ہی نہیں...... یا جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تب بھی افسوس ناک ہے اور اگر دوسری صورت ہے تب تو اس سے بھی زیادہ قابل افسوس اور قابل رحم ہے۔ اس کتاب کے بہت سے حصے انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہیں۔

✪ ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان و مدیر حکمت بالغہ جھنگ